قادیانیوں

کے بارے میں

وفاقی شرعی عدالت کا

فیصلہ

دار العلم
ماڈرن بلڈنگ
اسلام آباد

"قادیانیوں

کے بارے میں

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

اردو ترجمہ محمد بشیر ایم اے

دارالعلم

ماڈرن وے بلڈنگ — آب پارہ — اسلام آباد

مترجم ——— محمد بشیر ایم اے
طابع ——— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر ——— دار العلم، اسلام آباد
طبع اوّل ——— جنوری سنہ ۱۹۸۵ء
تعداد ——— ۳۰۰۰

قیمت
مجلّد — ۴۰ روپے
کارڈ کور — ۳۰ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

وفاقی شرعی عدالت ، اسلام آباد کی اجازت سے اُردو دان حضرات کی خدمت میں فاضل عدالت کے قادیانیوں کے بارے میں مکمل فیصلے کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ہم نے اپنی حد تک ترجمے کی صحت کا پورا اہتمام کیا ہے، تاہم معزز قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اگر کوئی اصلاح طلب چیز دیکھیں تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے، ان شاء اللہ

محمد بشیر

مدیر

دار العلم - اسلام آباد

وفاقی شرعی عدالت میں

(اصل دائرۂ کار)

مسٹر جسٹس فخر عالم — چیف جسٹس

مسٹر جسٹس چوہدری محمد صدیق

مسٹر جسٹس مولانا ملک غلام علی

مسٹر جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی

شریعت پٹیشن نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء

مجیب الرحمٰن — درخواست دہندگان

اور تین دیگر

بنام

وفاقی حکومتِ پاکستان — مدعی علیہ

بذریعہ اٹارنی جنرل آف پاکستان

شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء

کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد — درخواست دہندگان

اور ایک دوسرا

بنام

اٹارنی جنرل، اسلامی جمہوریہ پاکستان — مدعی علیہ

برائے درخواست دہندگان (شریعت پٹیشن نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء میں)	مسٹر مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ (یکے از درخواست دہندگان)
برائے درخواست دہندگان (شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء میں)	کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواحد (یکے از درخواست دہندگان)
منجانب مدعیٰ علیہ	حاجی شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ مسٹر ایم۔بی۔زمان ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ

تاریخ سماعت لاہور میں	۱۵/۷/۱۹۸۴ء	۱۶/۷/۱۹۸۴ء
	۱۷/۷/۱۹۸۴ء	۱۸/۷/۱۹۸۴ء
	۱۹/۷/۱۹۸۴ء	۲۲/۷/۱۹۸۴ء
	۲۳/۷/۱۹۸۴ء	۲۴/۷/۱۹۸۴ء
	۲۵/۷/۱۹۸۴ء	۲۶/۷/۱۹۸۴ء
	۲۹/۷/۱۹۸۴ء	۳۰/۷/۱۹۸۴ء
	۳۱/۷/۱۹۸۴ء	۱/۸/۱۹۸۴ء
	۲/۸/۱۹۸۴ء	۵/۸/۱۹۸۴ء
	۶/۸/۱۹۸۴ء	۷/۸/۱۹۸۴ء
	۹/۸/۱۹۸۴ء	۱۱/۸/۱۹۸۴ء
	۱۲/۸/۱۹۸۴ء	
تاریخ فیصلہ	۱۲/۸/۱۹۸۴ء	

فیصلہ

فخرِ عالم چیف جسٹس

آرڈی ننس نمبر ۲۰ مجریہ ۱۹۸۴ء ، جو قادیانی گروہ ، لاہوری گروہ اور احمدیوں کی اِسلام دشمن سرگرمیوں کی (ممانعت اور سزا) کا آرڈی ننس مجریہ ۱۹۸۴ء کہلاتا ہے ، گزٹ آف پاکستان کی (غیر معمولی) اشاعت مورخہ ۲۶ ، اپریل ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا ۔ اِس آرڈی ننس نے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء) ، مجموعہ ضابطۂ فوجداری مجریہ ۱۸۹۸ء (ایکٹ ۵ مجریہ ۱۸۹۸) اور پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۳ء کی بعض دفعات میں ترمیم کر دی۔

۲ — قادیانی لوگ جو قادیان کے مرزا غلام احمد (جنھیں بعد میں مرزا صاحب کہا جائے گا) کے پیروکار ہیں ، دو گروہوں میں منقسم ہیں ۔ تاہم دونوں گروہ احمدیوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں ۔

۳ — ایک گروہ جو عموماً قادیانی گروہ کے نام سے مَعرُوف ہے ، یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مرزا صاحب مہدی معہود ، مسیح موعود اور پیغمبر تھے ۔ لاہوری گروہ کہتا ہے کہ وہ مجدّد ، مہدی معہود اور مسیح موعود تھے ۔

۴ — دو درخواستیں ، ایک قادیانی گروہ کے چند ارکان کی جانب سے اور دوسری لاہوری گروہ کے دو ارکان کی جانب سے بمطابق نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء اور ۲/ایل ۱۹۸۴ء دائر کی گئی تھیں جن میں قرآنِ کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی رُو سے آرڈی ننس کے مندرجات کو چیلنج کیا گیا تھا۔

۵ ۔ اِس مسئلے کی مفصل سماعت چار ہفتوں سے زیادہ مدت تک جاری رہی ۔ مسٹر مجیب الرحمٰن ، جو شریعت پٹیشن نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء کے درخواست دہندگان میں سے ایک ہیں اور کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد ، جو شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء کے دہندگان میں سے ہیں ، نے درخواست دہندگان کے حق میں دلائل دیے ۔ جبکہ شیخ غیاث محمّد ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے حکومت کے حق میں دلائل دیے ۔ عدالت نے اس مسئلے سے متعلق اُمُور میں اپنی مدد کے لیے مندرجہ ذیل مشیرانِ قانونی اور مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کو دعوت دی جنہوں نے مسئلہ پر مفصل بحث کی :

۱) قاضی مجیب الرحمٰن

۲) پروفیسر محمود احمد غازی

۳) مولانا صدر الدین الرفاعی

۴) علامہ تاج الدین حیدری

۵) پروفیسر محمّد اشرف

۶) علامہ مرزا محمّد یوسف

۷) پروفیسر مولانا طاہر القادری

۶ ۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کی دفعہ ۱۰۶ اور دفعہ ۲۶۰ میں دوسرے دستوری ترمیمی ایکٹ مجریہ ۱۹۷۴ء (ایکٹ نمبر ۴۹ مجریہ ۱۹۷۴ء) کے ذریعے ترمیم کر دی گئی تھی ۔ دفعہ ۲۶۰ میں ذیلی دفعہ (۳) کا اضافہ کر دیا گیا تھا اور ایسے

تمام اشخاص کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا جو کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی اور غیر مشروط ختمِ نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتے یا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم یا لفظ میں نبی ہونے کا دعوے کریں یا جو کسی بھی ایسے مدعی کو نبی یا مذہبی مصلح مانیں۔ دوسروں کے علاوہ اس تعریف میں قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو شامل کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

۷ — دفعہ ۱۰۶ صوبائی اسمبلیوں کی تشکیل سے بحث کرتے ہوئے ان ارکان کی تعداد اور اوصاف کو واضح کرتی ہے جن کا اسمبلیوں کے لیے چناؤ ہو گا، نیز ان اسمبلیوں میں غیر مسلموں یعنی عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں، بدھوں اور پارسیوں کے لیے مخصوص اضافی نشستوں کا تعین کرتی ہے۔

دوسری دستوری ترمیم مجریہ ۱۹۷۴ء کی رُو سے ان گروہوں میں "قادیانی گروہ اور لاہوری گروہ کے اشخاص (جو خود کو احمدی کہتے ہیں)" کا اضافہ کیا گیا تھا۔

۸ — یوں دفعہ ۱۰۶ کو دفعہ ۲۶۰ کی ذیلی دفعہ ۳ کے اعلان میں عملی شکل دی گئی اور ہر دو عقیدوں کے احمدیوں کو دُوسری اقلیتوں کے مساوی حیثیت دے دی گئی۔

۹ — دستور کی ان دفعات کے علی الرغم احمدی، خود کو مسلمان اور اپنے مذہب کو اِسلام کا نام دینے پر قائم رہے اور انہوں نے بڑی بے حسی کے ساتھ مسلمانانِ پاکستان کی پریشانی کو نظر انداز کیے رکھا۔ ان کی جانب سے

متذکرہ دستوری دفعات کی خلاف ورزی اور مرزا صاحب کی بیوی ، افرادِ خانہ ، ساتھیوں اور جانشینوں کے لیے علی الترتیب اُمّ المومنین (مومنوں کی ماں) ، اہلِ بیت (رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے افراد) ، صحابہ (ساتھی) ، خلفاءِ راشدین (راستباز خلفاء) ، امیرالمؤمنین ، خلیفۃ المؤمنین ، خلیفۃ المسلمین (ایسے القاب جو عموماً مسلمان حکمرانوں اور پاکباز خلفاء ہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور جو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں اور کبھی بھی غیرمسلموں کے استعمال میں نہیں آتے) ایسے القاب ، اوصاف اور الفاظ کا مسلسل استعمال اور اُن کی بے حرمتی جاری رہی۔ اسی وجہ سے مقدس شخصیات کے بارے میں توہین آمیز کلمات کے استعمال کو مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء) کی دفعہ ۲۹۸ اے (جس کا اضافہ حال ہی میں آرڈی ننس نمبر ۴۴ مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت کیا گیا ہے) کے مطابق فوجداری اور قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ دفعہ یوں ہے :

<u>۲۹۸ اے</u>

"مقدس شخصیات کے بارے میں ہتک آمیز کلمات وغیرہ کا استعمال۔ جو کوئی بھی زبانی یا تحریری الفاظ میں یا کسی بھی ذریعۂ اظہار سے خواہ براہِ راست یا بالواسطہ یا کسی چوٹ یا اشارے یا کنائے سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی (اُمّ المؤمنین) یا افرادِ خاندان (اہلِ بیت) یا آپؐ کے راستباز خلفاء (خلفاءِ راشدین) یا ساتھیوں (صحابہؓ) میں سے کسی کے

مقدس نام کی توہین کرتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی قید جو
تین سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے یا دونوں سزاؤں کا
مستوجب ہو گا۔"

۱۰ — یہ دفعہ عمومی الفاظ میں ادا ہوئی تھی اور صرف احمدیوں پر لاگو نہیں کی گئی تھی۔ احمدیوں کے اصرار کی وجہ سے مسلمانوں میں پائے جانے والے اِحتجاج کے نتیجے میں زیرِ بحث آرڈی ننس جاری کیا گیا، جس نے مجموعہ تعزیراتِ پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ مجریہ ۱۸۶۰ء) میں دفعہ ۲۹۸-بی اور دفعہ ۲۹۸-سی کا اضافہ کیا اور مجموعہ ضابطۂ فوجداری مجریہ ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ مجریہ ۱۸۹۸ء) اور ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۳ء میں ذیلی ترامیم کیں۔

دفعہ ۲۹۸-بی اور دفعہ ۲۹۸-سی یوں ہیں:

<u>۲۹۸-بی</u>

مقدس شخصیات اور مقامات کے لیے مخصوص القاب، اوصاف
اور الفاظ کا غلط استعمال:

۱) قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو خود کو احمدی یا کسی بھی
دوسرے نام سے پکارتے ہیں) کا کوئی شخص جو خواہ تحریری
یا زبانی الفاظ کے ذریعے یا کسی بھی اظہارِ بیان سے

ا) رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا
صحابی کے علاوہ کسی شخص کو امیر المؤمنین، خلیفۃ

المؤمنین ، خلیفۃ المسلمین ، صحابی یا رضی اللہ عنہ کے القاب سے ذِکر کرتا یا مخاطب کرتا ہے۔

ب) رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کے سِوا کسی شخص کو اُمّ المؤمنین کے نام سے ذِکر کرتا یا مخاطب کرتا ہے۔

ج) رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افرادِ خاندان کے سِوا کسی دوسرے شخص کو اہلِ بیت کے نام سے یاد کرتا یا مخاطب کرتا ہے ، یا

د) اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے موسُوم کرتا ، ذِکر کرتا یا پکارتا ہے

وہ کسی بھی قِسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے ، کی سزا پائے گا اور جُرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

۲) قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے پکارتے ہیں) میں سے جو شخص بھی زبانی یا تحریری کلمات سے یا کسی محسوس اظہار سے نماز کے لیے بُلانے کے طریقے یا شکل ، جو اس کے اپنے عقیدے کے مطابق مروّجہ اذان ہو ، کا ذِکر کرتا ہے یا مسلمانوں میں مروّجہ اذان پڑھتا ہے ، وہ کسی بھی قِسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے ، کی سزا پائے گا اور جرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

۲۹۸ - سی

قادیانی گروہ وغیرہ کے اشخاص جو خود کو مسلمان پکاریں یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کریں۔

قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی بھی دوسرے نام سے پکارتے ہیں) میں سے جو شخص اپنے آپ کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرے گا یا اپنے عقیدے کو اسلام کے نام سے ذِکر کرے گا یا پکارے گا یا اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرے گا یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دے گا، یا خواہ زبانی یا تحریری کلمات سے یا محسوس تعبیرات یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی بےحرمتی کرتا ہے، وہ کسی بھی قسم کی قید جو تین سال تک ہو سکتی ہے، کی سزا پائے گا اور جرمانے کا بھی مستحق ٹھہرے گا۔

۱۱ــــ ان دفعات نے احمدی کے لیے اِن اُمور کو فوجداری جرم قرار دیا ہے:

ا) خود کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرنا یا اپنے مذہب کو اِسلام کا نام دینا،

ب) اپنے عقیدے کی تبلیغ یا تشہیر کرنا یا دوسروں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دینا یا کسی انداز سے خواہ وہ کیسا ہو، مسلمانوں کے مذہبی

جذبات کی توہین کرنا ،

ج) لوگوں کو نماز کے لیے اذان پڑھ کر بُلانا یا نماز کے لیے بُلانے کے اپنے طریقے یا شکل کو اذان کا نام دینا ،

د) اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے ذکر کرنا یا پکارنا ،

ھ) رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو امیر المؤمنین ، خلیفۃ المؤمنین ، خلیفۃ المسلمین ، صحابی یا رضی اللہ عنہ ، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کے سوا کسی دوسرے شخص کو اُمّ المؤمنین کے نام سے پکارنا یا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے افرادِ خاندان کے سوا کسی دوسرے شخص کو اہلِ بیت کا نام دینا ۔

۱۲ ــــ وہ بڑی وجہ جس کی خاطر یہ درخواستیں دائر کی گئی ہیں اور جس پر مختلف زاویوں سے اِستدلال کیا گیا ہے ، یہ ہے کہ زیرِ بحث آرڈی ننس سے شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور احمدیوں کے اپنے مذہب کو ماننے ، اس پر عمل پیرا ہونے ، اس کی تبلیغ یا تشہیر کرنے کے دستوری حق کی خلاف ورزی ہوئی ہے ۔

۱۳ ــــ یہ اَمر قابلِ توجہ ہے کہ دستوری دفعات کے باوجود درخواست دہندگان اپنے دلائل میں خود کو مسلمان اور اپنے عقیدے کو اِسلام کہنے پر مُصِر رہے اور اُنھوں نے یہ مؤقف اِختیار کیے رکھا کہ اُنھیں غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ کسی مذہبی ادارے کی جانب سے نہیں بلکہ اُس وقت کی حکمران جماعت

کی جانب سے کیا گیا تھا۔ درخواست دہندگان پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی تھی کہ دستوری ترمیم تمام پارٹیوں کے اتفاقِ رائے سے منظور ہوئی تھی اور پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ تقریباً عدالتی طریقے پر فریقین، جن میں قادیانی جماعت کے سربراہ بھی شامل ہیں، کے دلائل سُننے کے بعد دیا تھا۔

۱۴ — مسٹر مجیبُ الرحمٰن نے کہا کہ چُونکہ عدالت کو دستور کی دفعات کے خلاف فیصلہ صادر کرنے کا اختیار حاصل نہیں، اس لیے وہ یہ نکتہ اُٹھانا نہیں چاہتے کہ آیا قادیانی مسلمان ہیں یا غیرمسلم۔ تاہم وہ اِس اَمر پر زور دیتے رہے کہ چونکہ قادیانی غیرمسلم نہیں ہیں بلکہ اقتدارِ اعلیٰ نے انھیں ایسا قرار دیا تھا۔

۱۵ — بعد میں اُنھوں نے واضح کیا کہ اگر سرکاری وکیل نے یہ استدلال کیا کہ قادیانی، شریعت کی رُو سے بھی غیرمسلم ہیں تو وہ اِس استدلال کی مفصّل تردید کرنا پسند کریں گے۔

ہم نے وفاقی حکومت کے وکیل مسٹر ریاض الحسن گیلانی سے اِستفسار کیا کہ کیا وہ صِرف اِس مفروضے پر کہ قادیانیوں کو آئینی طَور پر غیرمسلم قرار دے دیا گیا ہے، قائم رہیں گے یا اس سے ہٹ کر شریعت کی روشنی میں اُن کی حیثیت پر اِستدلال کریں گے۔ انھوں نے مؤخر الذکر مفروضے کو پسند کیا۔ اِس پر مسٹر مجیب الرحمٰن نے گزارش کی کہ وہ قرآن اور سنّت کی روشنی میں قادیانیوں کی حیثیت کی توضیح پر دلائل دیں گے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کا احمدیوں کے مسلمان ہونے کے مفروضے پر اِستدلال

عدالت کو اِس مسئلہ پر محاکمہ کرنے کی دعوت ہے ۔ یوں عدالت کو اِس نکتہ پر اپنا فیصلہ دیے بغیر چارہ نہیں ۔ اسی نکتے پر پورا زورِ استدلال صَرف کیا گیا ہے ۔ اِس لیے اِس فیصلے میں اسے نمٹایا جاتے گا ۔

اِس لیے اِختتام پر پیش کردہ تحریری دلائل میں شامل یہ دعویٰ کہ خود درخواست دہندگان نے اپنے عقیدے کے مسئلے کو اٹھانا نہیں چاہا تھا ، صرف جزوی طور پر ہی درست ہے ۔

اس درخواست میں اٹھائے گئے نکات اور زیرِ بحث آرڈی ننس کی مختلف دفعات کے اثرات کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب ہو گا کہ مسلمانوں کے ہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے عقیدے پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ مسلمانوں اور احمدیوں کے مابین اِختلاف کا مرکزی نکتہ یہی ہے اور یہی دوسری دستوری، ترمیم مجریہ ۱۹۷۴ء (ایکٹ نمبر ۴۹، مجریہ ۱۹۷۴ء) جس کے مطابق احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا ، کی اساس ہے ۔

تمام مکاتبِ فکر کے مسلمان حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی ختمِ نبوّت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسے اپنے ایمان کا جُزو سمجھتے ہیں ۔ یہ اجماعی عقیدہ قرآنِ کریم کی آیت نمبر ۴۰/۳۳ پر مبنی ہے ۔ یہاں یہ آیت اپنے معنی اور تشریحات کے ساتھ درج کی جاتی ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

محمدؐ تم میں سے کسی شخص کا باپ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا رسُول اور نبیوں کی

مہر ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

(الاحزاب - آیت ۴۰)

لفظ خاتم النبیین کی تعبیر و تشریح شروع ہی سے ہوتی آئی ہے۔ خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس کی تفسیر موجود ہے نیز قرآنِ کریم کے مفسرین، فاضل علماء اور ممتاز فقہاء اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ اسے خَاتِمُ النبیین بھی پڑھ سکتے ہیں۔ خَاتِم کا معنیٰ ختم کرنے والا ہے۔ اِس اَمر میں کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ اگر لفظ خَاتِمُ النبیین ہو تو اس کا معنیٰ ہوگا "وہ جس کی نبوّت پر سلسلۂ نبوّت ختم ہوتا ہے۔"

خَاتَم کا معنیٰ مُہر اور خَاتَمُ النبیین کا معنیٰ نبیوں پر مہر ہوگا۔ اس کا مسلمہ اور اجماعی مفہوم یہ ہے کہ وُہ آخری نبی جو نبوت پر مہر لگا دیتا ہے اور جس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اور نبیوں کی آمد کا اختتام قطعی ہے۔ یہی معنیٰ مرزا صاحب نے قبول کیا تھا (ازالۂ اوہام حصّہ دوم صفحہ ۵۱۱)۔ تاہم اپنے دعویٰ نبوّت کے بعد انہوں نے اِس لفظ کے معنی تبدیل کر لیے اور اس کا مطلب یہ نکالا کہ جن نبیوں کا بعد میں آنا مقدّر ہے، اُن کی آمد کے لیے حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر، جس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کی آمد کا سلسلہ منتہی اور بند نہیں ہوا بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی نبی بن کر آئے گا وہ لازماً اُن کی مُہر ہی سے آئے گا۔ منشاء یہ ہے کہ وہ اُنہی کی منظوری کی مُہر سے نبی بن کر اس دنیا میں قرآن و سنّت پر مشتمل اُن کی شریعت کی تجدید کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

یہ تعبیر، جیسا کہ اوپر واضح ہوا، قطعی ختمِ نبوت کی اُس تفسیر سے انحراف ہے جس پر اِجماع ہو چکا ہے اور جس کی جھلک خود مرزا صاحب کی پہلی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔

اِس آیت میں لفظ "خاتم" دو طرح پڑھا گیا ہے یعنی خَاتَم یا خَاتِم۔ ابنِ امیر اور عاصم خاتَم (ت پر فتحہ یعنی زبر کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ اِس شکل میں یہ اِسم ہے جس کا معنٰی آخری ہے اور خاتَمُ النّبیّین کا معنٰی آخری نبی ہے۔ دُوسرے اِسے خاتِم (ت کے نیچے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ) پڑھتے ہیں، جو اِسم فاعل ہوگا اور اس کا معنٰی "ختم کرنے والا" ہے۔ اِس شکل میں خاتِمُ النّبیّین "(سلسلۂ) انبیاء کو ختم کرنے والا" ہوگا، یعنی جس پہ نبوّت ختم ہو گئی۔ (معالم التنزیل از امام بغویؒ جلد ۴، صفحہ ۲۱۸)

لسان العرب میں ہے کہ خَتَمَ کا معنٰی ختم کرنا ہے، کہا جاتا ہے خَتَمَ اللهُ أَمرَهُ بِالخَيرِ (الله اس کا معاملہ بھلائی پر ختم کرے) ہر چیز کی انتہاء کو خاتَم کہتے ہیں، اس کی جمع خواتِم ہے اور معنی خاتمے ہوگا۔ فراء کہتے ہیں کہ خاتَم اور خاتِم مترادف ہیں۔ فرق صِرف یہ ہے کہ گرامر کی رُو سے پہلا اِسم ہے اور دوسرا اِسم فاعل ہے۔ خاتَم اور خاتِم، رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں کیونکہ الله تعالیٰ آیت ۳۳/۴۰ میں فرماتے ہیں کہ وُہ خاتم النّبیین ہے جس کا معنٰی آخری نبی ہے۔

ختمٌ کا معنی روکنا بھی ہے اس کا عمومی مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دُوسری اشیاء میں مِلنے سے بچانا۔ خاتم کا معنی مہر لگانا بھی ہے یعنی کسی دوسری چیز

کو مہرشدہ چیزیں ملنے سے بچانا۔ خاتَم کا معنیٰ انگوٹھی بھی ہے (جلد ۱۱ ص ۵۳، ۵۵)

الراغب کہتے ہیں کہ خَتَمَ اور طَبَعَ کا معنیٰ کسی چیز کو کندہ کرنا اور چھاپ اور مہر سے ثبت کرنا ہوتا ہے۔ پہلا لفظ کبھی کبھی مجازاً اپنے آپ کو کسی چیز سے بچانے یا محفوظ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے محفوظ کرنے کے مفہوم سے ہی تحریروں اور دروازوں پر مہر لگانے کا مطلب نکلتا ہے اور کبھی ایک چیز سے دوسری چیز پر نقش یا اثر لگانے کے معنی میں۔ اسی سے چھاپ یا مہر سے مہر لگانا ہے اور کبھی اس کا مفہوم (کسی چیز کے) اختتام پر پہنچنا ہوتا ہے (دیکھیے لین لفظ ختم)۔

خَتَمَ عَلٰی قَلْبِہٖ (اس کے دل پر مہر لگا دی) کا مفہوم یہ ہے کہ اسے بے سمجھ بنا دیا یا اس کے دل و دماغ کو ناکارہ کر دیا (لین لفظ ختم)۔
خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی) اور طَبَعَ اللہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (اللہ نے ان کے دِلوں پر ٹھپہ لگا دیا) اللہ تعالیٰ کے اس دستور کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان جب عقیدۂ باطلہ اور معاصی کے ارتکاب میں آخری حدوں کو چھونے لگتا ہے اور حق قبول کرنے سے کلیتہً غافل ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ معاصی کو پسند کرتا اور گناہوں کا پختہ عادی ہو کر رہ جاتا ہے۔ یوں گویا اس کے گندے کردار کی اس پر مہر لگا دی گئی (دیکھیے مفرداتِ امام راغب اصفہانی، صفحہ ۱۴۳، دیکھیے لین لفظ ختم)۔ خاتم النبیین کا معنیٰ ہے "وہ نبی جس کی آمد پر (سلسلہ) نبوت ختم ہو گیا (مفرداتِ راغب اصفہانی، صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳)۔

تاج العروس میں ہے :

و من أسمائه صلی اللہ علیه وسلم الخاتم و الخاتم و هو الذی فقد النبوة بمجیئه (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے خاتَم اور خاتِم بھی ہیں، جن کا معنٰی یہ ہے کہ اُن کی آمد پر نبوت ختم ہو گئی) تاج العروس جلد۸ صفحہ ۱۸۶ نیز دیکھیے مجمع البحار جلد۸ صفحہ ۱۹۸

یوں لفظ خاتَم (مہر) یا خاتِم (ختم کرنے والا) دونوں ایک ہی معنٰے میں ہیں۔ اسی بنا پر تمام علماء لغت اور مفسرین نے بالاتفاق خاتم النبیین کا معنٰی آخِرُ النَّبِیّین (آخری نبی) لیا ہے۔ عربی زبان کے محاورے یا لغت میں خاتم کا لفظ ڈاک کی اس مہر پر نہیں بولا جاتا جو لفافے کے اجراء کی خاطر اس پر لگائی جاتی ہے بلکہ اُس مُہر پر بولا جاتا ہے جو لفافے کو محفوظ کرنے کی غرض سے لگائی جاتی ہے تاکہ جب تک مہر کو توڑا نہ جائے اس کے اندر کی چیز باہر اور نہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل کی جا سکے۔

تمام مشہور مفسرین نے آیت ۳۳/۴۰ کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور زیرِ بحث مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ چند ایسی احادیث موجود ہیں جن میں قیامت کے قریب حضرت عیسٰیؑ کی بعثتِ ثانیہ کا تذکرہ ہے۔ کچھ علماء نے ان احادیث کو قرآنِ کریم اور سُنّت سے متعارض ہونے کی بناء پر ضعیف قرار دیا ہے لیکن بہت بڑی اکثریت ان کی صحت کی قائل ہے۔ اکثریت کی رائے میں ان احادیث اور قرآنِ کریم کے مابین کوئی تعارض نہیں، کیونکہ عیسٰیؑ جو اللہ کے رسُول اور نبی تھے، رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے

منصبِ نبوت پر فائز ہوئے تھے جبکہ آیت کا تعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی کی آمد سے ہے ۔ بلکہ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور اِس اُمتِ اسلامیہ کے ایک فرد اور شریعتِ اسلامیہ کے متبع کی حیثیت سے ہو گا ۔ اب یہ مستند تفسیری آراء اور تشریحات درج کی جاتی ہیں :

(۱) علامہ ابنِ جریر طبری (۲۲۴ - ۳۱۰ھ) اپنی مشہور تفسیر میں اِس آیت کی تشریح یُوں کرتے ہیں " اُس نے نبوّت ختم کر دی اور اس پر مُہر لگا دی ۔ اب یہ دروازہ قیامت تک کسی کے لیے نہیں کھلے گا " (تفسیر طبری جزء ۲۲ ،صفحہ ۱۲)۔

(۲) امام طحاوی (۲۲۹-۳۲۱ھ) اپنی کتاب " العقیدۃ السلفیّۃ " میں نبوّت کے بارے میں ائمۂ سلف خصوصًا امام ابوحنیفہ ، امام ابو یوسف اور امام محمّد رحمہم اللہ کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : " اور یہ کہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ، اس کے نبی اور محبوب ہیں اور وُہ آخری نبی ، سیّد الاولیاء اور سیّد المرسلین ہیں اور ربّ العالمین کے محبوب ہیں "

شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السّلفیۃ ، دارالمعارف مصر ، صفحات ۱۵ ، ۸۷ ، ۹۶ ، ۱۰۰ ، ۱۰۲)۔

(۳) علامہ ابنِ حزم اندلسی (۳۸۴ - ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں ۔ " بلاشبہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ وحی کا نزول صرف نبی پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں : محمّد تمھارے مَردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسُول اور آخری نبی ہے ۔ " (المحلّٰی جلد اوّل صفحہ ۲۶)

(۴) امام غزالی (۴۵۰ - ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں " اِس امر پر اُمّتِ مسلمہ کا

کامل اجماع ہے کہ اللہ کے رسول حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ پُوری اُمت اِس بات پر متفق ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" سے مُراد یہی ہے کہ اُن کے بعد نہ کوئی نبی اور نہ رُسُول ہو گا۔ جو شخص بھی اِس حدیث کا کوئی اور مطلب بیان کرتا ہے وہ دائرۂ اِسلام سے خارج ہے، اس کی تشریح باطل اور اس کی تحریر کُفر ہو گی۔ علاوہ ازیں اُمّت کا اِس بات پر اِجماع ہے کہ اس کے سوا اس کی کوئی اور تشریح نہیں جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اجماعِ اُمت کا منکر ہے۔" (الاقتصاد فی الاعتقاد، مصر، صفحہ ۱۱۴)

(۵) محی السُّنۃ بغوی (م ۵۱۶ھ) اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت ختم کر دی ہے۔ سو وہ انبیاء (کے سلسلے) کی آخری کڑی ہیں۔ اور ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے (اِس آیت میں) فیصلہ کر دیا ہے کہ اُن کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو گا۔"

(معالم التنزیل جلد ۳، صفحہ ۱۵۸)

(۶) علامہ زمخشری (۴۶۷-۵۳۸ھ) اپنی تفسیر "الکشاف" میں لکھتے ہیں: "اگر آپ یہ سوال کریں کہ جب یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰؑ قیامت سے پہلے آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو پھر رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟ مَیں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس معنی میں آخری نبی ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص نبی کی حیثیت سے مبعوث نہ ہو گا۔ رہا حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ، تو وہ ان انبیاء میں سے ہیں جنھیں حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوّت سے سرفراز کیا گیا تھا اور جب وُہ دوبارہ آئینگے

تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے اور اُنھیں کے قبلہ (الکعبہ) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں گے، جیسا کہ اُمت کے دُوسرے افراد کرتے ہیں۔" (الکشاف، جلد ۲، صفحہ ۲۱۵)

(۷) قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں "جو شخص بھی اپنے لیے دعوئے نبوت کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اسے حاصل کر سکتا ہے اور صفائے قلبی سے منصبِ نبوت پا سکتا ہے، جیسا کہ بعض فلسفیوں اور نام نہاد صُوفیوں کا دعوٰے ہے، اِسی طرح جو نبوت کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا مدعی ہے.... ایسے تمام لوگ کافر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنکر ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں بتا چکے ہیں کہ وہ آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اور یہ اِطلاع منجانب اللہ تھی کہ اُس نے نبوّت بند کر دی ہے اور وہ تمام کائنات کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ اِن الفاظ کا اِس ظاہری مفہوم کے سوا اور کوئی معنٰی نہیں اور اِس سے مختلف تشریح یا خاص معنٰی لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس لیے اجماع اور احادیث دونوں کی رُو سے ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے"

(شفاء، جلد ۲، صفحات ۲۷۰، ۲۷۱)

(۸) امام رازیؒ (۵۴۳ - ۶۰۶ھ) اپنی تفسیر کبیر میں خاتم النّبیّین کی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اِس سلسلے میں خاتم النّبیّین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک نبی کے بعد دُوسرا نبی آنا ہوتا ہے تو وہ تبلیغ اور احکام کی توضیح کا مِشن

کسی حد تک نامکمل چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں آنے والا اسے مکمل کرتا ہے۔ لیکن جس نبی کے بعد کسی اور نبی کی آمد نہیں ہو گی وہ اپنی اُمّت پر بہت زیادہ شفیق ہوتا ہے اور ان کے لیے واضح قطعی اور کامل ہدایت فراہم کرتا ہے، جیسے ایک باپ جانتا ہو کہ اس کے بعد اس کے بیٹے کی نگہداشت کرنے والا کوئی سرپرست اور کفیل نہ ہو گا (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۸۱)۔

(۹) علّامہ شہرستانی (م ۵۴۸ ھ) اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح جو یہ کہتا ہے .... کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی (حضرت عیسیٰ نبی کے سوا) مبعوث ہو گا، وہ بھی کافر ہے اور اس مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف رائے موجود نہیں، یہاں تک کہ کسی دو انسانوں میں بھی۔

(۱۰) علامہ بیضاوی (م ۶۸۵ ھ) اپنی تفسیر انوار التنزیل میں لکھتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء کی آخری کڑی ہیں جنہوں نے ان کے سلسلہ کو ختم کر دیا ہے اور سلسلۂ نبوت پر مُہر لگا دی ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ وہ جب آئیں گے تو انہی کی شریعت کے پیروکار ہوں گے (انوار التنزیل جلد ۴ صفحہ ۱۶۴)

(۱۱) علّامہ حافظ الدین نسفی (م ۷۱۰ ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں لکھتے ہیں "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی اور شخص

نبی نہیں ہوگا۔ رہے حضرت عیسیٰ تو وہ آپؐ سے پہلے انبیاء میں سے ہیں، اور جب وہ دوبارہ آئیں گے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے اور انہی کی اُمت کے ایک فرد کی طرح ہوں گے (مدارک التنزیل جلد ۵ صفحہ ۴۷۱)

(۱۲) علامہ علاؤالدین بغدادی (م ۷۲۵ھ) اپنی تفسیر خازن میں لکھتے ہیں :۔

"وخاتم النبیّین یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت بند کر دیا ہے اب ان کے بعد نہ کوئی نبوت ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی شراکت یا حِصّہ داری ہے . . . . . . اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ۔"

(لباب التاویل فی معانی التنزیل جلد ۵ صفحات ۴۷۱ ۔ ۴۷۲)

(۱۳) علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں :

"تو یہ آیت اس امر میں نص ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور اگر ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو رسول بطریق اولیٰ نہ ہوگا، کیونکہ مقامِ رسالت مقامِ نبوت سے اَخص ہے۔ کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا . . . . . . آپؐ کے بعد جو شخص بھی اس منصب کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذّاب، دجّال، مفتری اور کافر ہے، خواہ وہ کسی قسم کے غیر معمولی کرشمے اور جادوگری کے طلاسم دکھاتا پھرے . . . . اور اسی طرح قیامت تک جو شخص بھی اس منصب کا مدعی ہو وہ کذّاب ہے ۔"

(تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحات ۴۹۳ - ۴۹۴)۔

(۱۴) علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جلالین میں لکھتے ہیں :

"وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اللہ تعالیٰ ہر چیز سے آگاہ ہے اور جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور حضرت عیسیٰ

جب نازل ہوں گے تو وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پیروکار ہوں گے۔ (جلالین صفحہ ۷۶۸)۔

(۱۵) علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں:

"جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتا ہے وہ مسلمان نہیں کیونکہ یہ ایمان کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے (الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۷۹)

(۱۶) ملا علی قاری (م ۱۰۱۶ھ) شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

"اس نکتہ پر اُمّت کا کامل اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔" (شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۲)۔

(۱۷) شیخ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ) اپنی تفسیر روح البیان میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "عاصم نے اس لفظ کو خاتَم پڑھا ہے جس کا معنی مہر لگانے کا وہ آلہ ہے جس سے اشیاء پر مہر لگائی جاتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں آئے ہیں اور اُنہی پر انبیاء کا سلسلہ بند ہوا اور اس پر مہر لگ گئی۔ بعض نے اسے خاتِم پڑھا ہے جس کا معنی مہر لگانے والا ہے تو اس طرح خاتِم خاتَم کا ہم معنی ہوا .... اسی بنا پر اس اُمّت کے علماء صالحین ولایت میں آپ کے جانشین ہوں گے، کیونکہ نبوت کی جانشینی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ خاتم النبیین کا معنی یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو گا .... اور عیسیٰ آپؐ سے قبل نبوت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور بعثت ثانیہ کے وقت وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہوں گے اور

آپؐ کے دوسرے اُمتیوں کیطرح اُنہی کے قبلہ کی جانب رُخ کر کے نماز ادا کرینگے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔

اہل سُنت کا عقیدہ ہے کہ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور آخری نبی ہے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ اب جو شخص بھی یہ کہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے، اسے کافر قرار دیا جائے گا کیونکہ اس نے ایمان کے ایک بنیادی جزو کا انکار کیا ہے اسی طرح جو اس میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے کیونکہ باطل سے حق واضح اور روشن ہو چکا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا دعویٰ کرنا دجل و فریب کے سوا کچھ نہیں۔ (روح البیان جزء ۲۲ صفحہ ۱۸۸)

(۱۸) فتاوی عالمگیری، جسے بارہویں صدی ہجری میں ممتاز علماء کے ایک بورڈ نے شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالمگیر کی ہدایت پر مدون کیا تھا، میں ہے "اگر کوئی شخص اس بات کا منکر ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول یا نبی ہے تو وہ کافر قرار دیا جائے گا۔ (فتاوی عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

(۱۹) علامہ شوکانی (م ۱۲۵۵ھ) اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"جمہور نے اسے خاتِم پڑھا ہے اور عاصم نے خاتَم۔ پہلی قرأت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کو ختم کر دیا ہے یعنی وہ تمام انبیاء کے بعد آخری نبی بن کر آئے ہیں۔ اور دوسری قرأت کا معنی یہ ہے کہ وہ ان کے لیے ایسی مہر کی مانند ہیں

جس سے اُن پر مہر لگی اور جس کی اُن میں شمولیت سے انہیں زینت ملی۔ (فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۲۸۵)

(۲۰) علامہ الوسی (م ۱۲۷۰ھ) اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں "نبی کا لفظ عام ہے اور رسول خاص ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے خاتم المرسلین ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ کے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد کسی بھی انسان یا جنّ کو یہ منصب نصیب نہیں ہوگا۔ (روح المعانی جزء ۲۲ صفحہ ۳۲)۔

> "ان کے بعد جو شخص بھی وحی نبوت کے نزول کا دعویٰ کرتا ہے اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اس بارے میں مسلمانوں میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں (روح المعانی جزء ۲۲ صفحہ ۳۸) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا آخری نبی ہونا ایسی حقیقت ہے جس کی تصریح خود کتاب اللہ نے کر دی ہے اور سُنّت نے اسے واضح کر دیا ہے اور اس مسئلہ پر اُمّت کا اجماع ہو چکا ہے لہٰذا اس کے خلاف جو بھی دعویٰ کرے گا وہ کافر قرار پائے گا۔"
> (روح المعانی جزء ۲۲ صفحہ ۳۹)

ختم نبوت کا یہی تصوّر مندرجہ ذیل شیعہ مفسّرین نے بھی بیان کیا ہے:۔

۱۔ علی بن ابراہیم (۳۲۹ھ ۹۴۱ء) تفسیر القمی صفحہ ۵۳۲ مطبوعہ نجف (عراق)

۲۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی (م ۴۶۰ھ) تفسیر التبیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۴ مطبوعہ نجف (عراق)

۳۔ ملا فتح اللہ کاشانی (م ۹۸۸ھ) تفسیر منہج الصادقین جلد ۷ صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ

نجف (عراق)

۴۔ ابوعلی فضل بن حسین طبرسی (م ۵۴۸ھ) تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ طبع نجف (عراق)

۵۔ ملا محسن کاشی، تفسیر الصافی صفحہ ۱۹۱، طبع نجف (عراق)

۶۔ ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل حسینی (م ۱۱۰۷ھ) تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ طبع قم (ایران)

۷۔ علامہ حسین بخش، انوار النجف جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۱، طبع لاہور۔

۸۔ مولانا سید عمار علی، تفسیر عمدۃ البیان جلد ۱۲ طبع دہلی۔

۹۔ مقبول احمد، ترجمہ و تفسیر قرآن صفحہ ۵۰۷ طبع لاہور

۱۰۔ حافظ فرمان علی، ترجمہ و تفسیر قرآن صفحہ ۵۸۵

زمخشری (۴۶۷ - ۵۳۸ھ) تفسیر کشاف میں، قاضی بیضاوی (م ۶۸۵ھ) انوار التنزیل میں، امام رازی (۵۴۳ - ۶۰۶ھ) تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ میں، امام نووی (۶۳۱ - ۶۷۶ھ) شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۸۹، شرح مسلم جز ۱۸ صفحہ ۷۵ میں، علاؤ الدین بغدادی (م ۷۲۵ھ) تفسیر خازن صفحہ ۴۷۱ - ۴۷۲ میں، تفتازانی (۷۲۲ - ۷۹۲) شرح عقائد نسفی صفحہ ۱ میں، ابن حجر عسقلانی (م ۸۴۹ھ) فتح الباری جلد ۶ صفحات ۱۱۷، ۳۱۵ میں، بدر الدین عینی (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد ۱۶ صفحہ ۴۰ میں، قسطلانی (۸۵۱ - ۹۲۳ھ) ارشاد الساری جلد ۶ صفحہ ۱۸ میں، ابن ہیثمی (۹۰۹ - ۹۷۳ھ) فتاویٰ حدیثیہ صفحات ۱۲۸ - ۱۲۹ میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ - ۱۰۵۲ھ) اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۳۷۳ میں، زرقانی (م ۱۱۶۲ھ)

شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۶ میں اسی نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ تصریحات ہر ملک اور مسلسل ہر زمانے کے ممتاز علماء، فقہاء، محدثین اور مفسرین کر چکے ہیں۔ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تاریخِ اسلام کی پہلی صدی سے لیکر تیرہویں صدی ہجری تک ہر دور کی نمایاں شخصیات موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاتم النبیین کے یہی معانی اپنی متعدد احادیث میں واضح فرمائے ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:۔

(۱) "قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہوتا ایک اور نبی اس کا جانشین ہوتا۔ خبردار میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ خلفاء ہوں گے (بخاری کتاب الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۲۵۷ طبع دارالمعرفہ بیروت لبنان)

(۲) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ يَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا اور اسے بہت خوبصورت اور عمدہ بنا دیا لیکن ایک کونے میں ایک خشت کی جگہ رہنے دی۔ لوگ اس گھر کے گرد چکر لگاتے اور اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور کہتے یہ خشت کیوں نہیں لگائی گئی ؟ پس میں ہی یہ خشت ہوں اور میں آخری نبی ہوں" (سو اس طرح میری بعثت سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا ہے اور اب اس میں مزید کسی نبی کی کوئی گنجائش نہیں) (بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ طبع دارالمعرفہ ، بیروت)

اسی موضوع پر چار روایات صحیح مسلم (کتاب الفضائل) میں مروی ہیں ، جن میں مذکورہ بالا الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے "فَجِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ" پس میں نے آکر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔ نیز انہی الفاظ میں یہ حدیث جامع ترمذی کتاب المناقب باب فضائل النبی میں موجود ہے۔

مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث بروائت جابر بن عبداللہ مروی ہے اور اس کے آخری الفاظ یوں ہیں "خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ" "مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

اسی موضوع پر کئی روایات مسند احمد میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ ابی بن کعب، ابوسعید خدری اور ابوہریرہ سے مروی ہیں۔

(۳) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِىَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِىَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ

إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے دوسرے انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے (۱) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں اور (۲) (دشمنوں کے دلوں میں) میرا خوف طاری کیا گیا ہے اور (۳) میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں اور (۴) زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دی گئی اور (۵) مجھے تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور (۶) مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ طبع دارالکتب، بیروت)

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہیں اس لیے میرے بعد کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۳ طبع ایچ۔ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی)

(۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یُمْحَی بِیَ الْکُفْرُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی عَقِبِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں محمدؐ ہوں اور میں احمد ہوں اور میں وہ ماحی (مٹا دینے والا) ہوں جسکے ذریعے کفر مٹا دیا جائے گا اور میں وہ حاشر ہوں جس کے پیچھے لوگ اکٹھے ہوں گے (میدانِ حشر میں)

اور میں وہ عَاقِب (آخری) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ طبع دہلی)

(۶) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَہُ الدَّجَّالَ وَاَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ وَھُوَ الْخَارِجُ فِیْکُمْ لَا مَحَالَۃَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس نے اپنی اُمّت کو دجّال سے ڈرایا اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمّت ہو اور وہ لازماً تمہارے اندر نکلے گا (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۸)

(۷) عن عبدالرحمٰن بن جُبَیر قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ یَقُوْلُ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا کَالْمُوَدِّعِ فَقَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ثَلَاثًا وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

عبدالرحمٰن بن جبیر سے روایت ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہمارے پاس آئے جیسے گویا وہ الوداع کرنے والے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا میں ہی محمد نبی اُمّی ہوں، تین مرتبہ، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں (مسند احمد روایات عبداللہ بن عمرو بن العاص)۔

(۸) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قِیْلَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ اَوْ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد کوئی نبوت نہیں مگر مبشرات ہیں۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اچھے خواب، یا فرمایا نیک خواب (یہ اس لیے کہ اب وحی الٰہی کا کوئی امکان نہیں۔ زیادہ سے زیادہ کسی شخص کو سچے خواب میں القا ہی ہو سکتا ہے) (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۶)

(۹) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ طبع ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی)

(۱۰) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰؑ کے لیے تھا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (صحیح مسلم جلد ۲ طبع دہلی صفحہ ۲۷۸)

بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو غزوۂ تبوک کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ یہی مضمون مسند احمد میں بروایت سعد بن ابی وقاص دو حدیثوں میں مذکور ہے، جن میں سے ایک روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں "لیکن میرے بعد کوئی نبوت نہیں" اس واقعہ کے بارے میں ابو داؤد طیالسی، امام احمد اور محمد بن اسحاق کی روایت کردہ مفصل احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے

روانگی کے وقت حضرت علیؓ کو مدینہ کی نگرانی اور دفاع کے لیے پیچھے چھوڑنے کا فیصلہ کیا اس پر منافقین نے ان کے خلاف نازیبا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے پیچھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ اس پر حضورؐ نے انہیں تسلّی دی اور فرمایا " تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے"۔ یعنی جیسے اللہ کے نبی حضرت موسےٰؑ کوہِ طور کو روانہ ہوتے وقت ہارون نبی کو بنی اسرائیل کی نگہداشت کے لیے پیچھے چھوڑ گئے تھے اسی طرح آپؐ انہیں مدینہ کے دفاع کی غرض سے پیچھے چھوڑ رہے ہیں۔ لیکن اس خدشے کے پیش نظر کہ حضرت علیؓ کا ایک پیغمبر سے موازنہ بعد میں کسی شرّ کا باعث بن سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً یہ استثناء کر دیا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

(۱۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .... وَاِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔

ثوبان سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا .... اور بیشک میری اُمّت میں تیس کذّاب ہوں گے۔ اُن میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ خبردار! مَیں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

ابوداؤد نے اس موضوع پر ایک اور روایت حضرت ابوہریرہ سے کتاب الملاحم میں بیان کی ہے۔ ترمذی نے بھی ان دونوں احادیث کو اسی سند سے اور ثوبان سے

بیان کیا ہے۔ دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں "تیس کذاب ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے"

(۱۲) قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَعُمَرُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جن سے (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) کلام ہوتا تھا لیکن وہ نبی نہیں ہوتے تھے پس اگر میری اُمّت میں کوئی ایسا شخص ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا (بخاری کتاب المناقب جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ طبع دارالمعرفہ، بیروت)۔

اس مضمون کی ایک روایت صحیح مسلم میں بھی مروی ہے اس میں یُکَلَّمُوْنَ کی جگہ مُحَدَّث کا لفظ مذکور ہے تاہم دونوں کا معنی "وہ جن سے اللہ تعالیٰ یا کوئی غیر مرئی ہم کلام ہو"

(۱۳) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّتِیْ۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری اُمّت کے بعد (کسی اور نبی کی) کوئی اُمّت نہیں۔ (بیہقی جلد ۵ صفحہ ۱۹۷)

(۱۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد (کسی نبی کی) آخری مسجد ہے (مدینہ میں مسجد نبوی کی جانب اشارہ ہے) (صحیح مسلم کتاب الحج صفحہ ۲۰۲)

(۱۵) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ آدَمَ فِي طِيْنَتِهٖ۔

عرباض بن ساریہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں آخری نبی تھا جب کہ آدم ابھی گارے میں تھے (ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے) (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۱۸ طبع حیدر آباد دکن)

(۱۶) "بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ (یَا رَسُوْلَ اللہِ) لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَاءِ وَ اَخْبَارِ السَّمَاءِ"

مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اے اللہ کے رسول! میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں۔ آپ کی موت نے وہ چیز ختم کر دی ہے جو آپ کے سوا کسی دوسرے کی موت سے ختم نہ ہوئی یعنی نبوّت غیبی خبریں اور آسمان کی وحی (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ طبع مصر)

(۱۷) عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ وَاَبِیْ عَبْدِ اللہِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ..... "لَقَدْ خَتَمَ اللہُ بِكِتَابِكُمُ الْكُتُبَ وَخَتَمَ بِنَبِيِّكُمُ الْاَنْبِيَاءَ۔"

ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہما السلام نے کہا " تحقیق اللہ نے تمہاری کتاب (قرآن کریم) پر الہامی کتابوں کو ختم کر دیا اور تمہارے نبی (حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم) پر سلسلۂ انبیاء کو ختم کر دیا (اصول الکافی جلد اوّل صفحہ ۱۶۳ طبع نول کشور)

اِن احادیث کو محدثین کی ایک بڑی تعداد نے متعدد اور بہت قوی اسناد کے ساتھ صحابہ کرام کی عظیم تعداد سے روایت کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر، مختلف طریقوں سے اور مختلف الفاظ میں قطعی اعلان فرما دیا تھا کہ وہ آخری نبی ہیں اور یہ کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ کہ نبوت ان پر ختم ہو چکی ہے اور یہ کہ ان کے بعد نبوت یا رسالت کے مُدّعی کذّاب ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ "خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" کی اس سے زیادہ مستند، معتبر اور فیصلہ کن اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بذاتِ خود معتبر اور فیصلہ کُن ہوتا ہے۔ لیکن جب اس سے قرآنِ کریم کے متن کی توضیح وتشریح ہوتی ہو تو وہ بالکل قطعی اور فیصلہ کن ہوتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر اور کون قرآنِ کریم کے فہم وتعبیر کا اہل ہو گا؟ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ختم نبوت کے مختلف معنی پیش کرتا ہے تو وہ کیونکر کسی بھی قسم کی توجہ یا التفات کا سزاوار ہو گا، چہ جائیکہ اسے ماننے اور اس کی پیروی کرنے کا مستحق سمجھا جائے۔

یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے، تاہم میں ابن تیمیہ کی الایمان سے یہ اقتباس پیش کرتا ہوں:

وممّا ینبغی ان یعلم ان الالفاظ الموجودة فی القرآن والحدیث اذا عرف تفسیرها وما ارید بها من جهة

النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحتج فی ذلک الی الاستدلال باقوال اھل اللغۃ ولا غیرھم۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی جانب سے قرآن اور سنت کے الفاظ کی تشریح معلوم ہو جائے تو ایسی صورت میں ماہرینِ لُغت یا ان کے علاوہ دوسروں کے اقوال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (الایمان از امام ابن تیمیہؒ صفحہ ۲۷۱)

ختمِ نبوت اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے۔ علاّمہ ابن نجیم (الاشباہ والنظائر، کتاب السیر، باب الردۃ صفحہ ۱۷۹ میں) لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص ختمِ نبوّت کے عقیدے کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں ہے، کیونکہ یہ ایمان کا ایسا بنیادی جزو ہے جسے جاننا اور تسلیم کرنا لازمی ہے۔

غزالی (۴۵۰ - ۵۰۵ھ)، قاضی عیاض (م ۵۴۴ ھ) علامہ شہرستانی (م ۵۴۸ھ) ابن کثیر (م ۷۷۴ھ)، مُلّا علی قاری (م ۱۰۱۶ھ) شیخ اسماعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) شوکانی (م ۱۲۵۵ھ) اور فتاویٰ عالمگیری کی یہ آراء پہلے ہی گزر چکی ہیں کہ جو آدمی ختمِ نبوّت کا عقیدہ نہیں رکھتا یا نبی ہونے کا دعویدار ہے یا ایسے شخص کی پیروی کرتا ہے تو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ذیل میں امام ابو حنیفہؒ کا فیصلہ بھی درج کیا جاتا ہے:۔

ایک آدمی نے امام ابو حنیفہؒ (۸۰ - ۱۵۰ھ) کے زمانے میں نبوّت کا دعویٰ کیا اور کہا "آپ مجھے اپنی نبوّت کا ثبوت پیش کرنے کا موقع دیں" امام صاحب نے فرمایا "جو شخص اس سے اس کی نبوّت کا ثبوت طلب کریگا

وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے" (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ، ابن احمد المکی جزء اوّل صفحہ ۱۶۱ طبع حیدرآباد)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ایک صریح اور عام آیت کی تاویل اور تخصیص کر کے اس کی تکذیب کرتا ہے تو وہ اس شخص کے برابر ہے جو نفسِ آیت کو جھٹلا دیتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا عقیدہ مسلمانوں کے ایمان کا جزو اور دین کا بنیادی اصول ہے۔ معروف علماء کے یہ فیصلے دوسروں کے علاوہ اس مُدّعی نبوّت اور اس کے پیرو کاروں کے بارے میں شریعت کے صحیح موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں خاتم النّبیّین کی آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مُدّعیِ نبوّت کذّاب ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوگا کہ کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر اعتراض کیا کہ خاتَم کا معنی آخری نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو خَاتَمُ الشُّعَراء یا خَاتَمُ المُفَسِّرِین کہا جائے۔ ان کلمات کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ ایسے شخص کے بعد کوئی اور شاعر یا فقیہ یا مفسّر پیدا نہیں ہوگا بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس خاص شعبۂ علم میں اس شخص کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ ایک مغالطہ آمیز دلیل ہے۔ ایسے لقب کا بطور مبالغہ استعمال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم عرف "کامل اور ممتاز" کے معنی میں مستعمل ہے "آخری" کے لیے نہیں۔ ایسا کوئی قاعدہ

نہیں کہ کسی لفظ کے بعض اوقات مجازی معنی میں استعمال ہو جانے سے وہ اپنے حقیقی معنی کھو دے گا۔ اگر کوئی کسی عرب باشندے سے کہے "وَجَاءَ خَاتَمُ الْقَوْمِ" تو وہ یہ ہرگز نہیں سمجھے گا کہ قبیلے کا ممتاز ترین فرد آیا ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ قبیلے کا آخری فرد آگیا ہے۔

یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ چند اشخاص کو دیے ہوئے خاتم الشعراء خاتم الفقہاء وغیرہ القاب انسانوں کے دیے ہوتے ہیں اور کسی انسان کو یہ کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس شخص کو اس کے کسی معیار کی بنا پر خاتم قرار دے رہا ہے، اسی معیار کا کوئی اور شخص پیدا نہیں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی لغت میں ان القاب کی امتیاز کے مبالغہ آمیز اعتراف سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ فلاں اور فلاں معیار کسی خاص شخصیّت پر ختم کر دیا گیا ہے تو پھر ایسی کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس سے مجازی مفہوم سمجھیں خصوصاً جب کہ کوئی لغوی ابہام بھی موجود نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو خاتم النّبیین کہنا اور کسی انسان کا دوسرے انسان کو بطور مبالغہ خاتم الشعراء یا خاتم الفقہاءً وغیرہ کہنا یکساں قرار نہیں پائیں گے۔

قطعی ختمِ نبوّت کے خلاف ایک دلیل اس حدیث پر مبنی ہے کہ آپؐ کی مسجد آخری مسجد ہے۔ استدلال کیا گیا کہ وہ آخری مسجد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد دُنیا میں بے شمار اور مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ "آخری مسجد" کے الفاظ کمال اور امتیاز کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ دلیل صرف مغالطہ ہے "آخری مسجد" سے مُراد انبیاء کی آخری مسجد یا ایسی مسجد جو دوسری مساجد کے

مقابلے میں خصوصیات کی حامل ہو، ہے۔

اس بارے میں امام مسلم نے، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت میمونہؓ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) سے مروی یہ احادیث بیان کی ہیں کہ دنیا میں ایسی تین مساجد موجود ہیں جو دوسری تمام مساجد سے افضل ہیں اور ان میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزاروں گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ یہ مکہ کی مسجد الحرام، یروشلم (بیت المقدس) کی مسجد الاقصیٰ اور مدینہ کی مسجد نبوی ہیں۔ اس لیے ان تین مساجد میں نماز پڑھنے کی نیّت سے ان کا سفر کرنا جائز ہے۔ یہ خصوصیت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔ دوسری تمام مساجد، خواہ دور ہوں یا نزدیک، کا مرتبہ اور ثواب یکساں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ چونکہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا اس لیے دُنیا میں کوئی ایسی چوتھی مسجد تعمیر نہیں ہوگی جس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہو اور جس میں نماز ادا کرنے کی نیّت سے خصوصی سفر کا اہتمام کرنے کی اجازت ہو۔

ختمِ نبوّت کی قطعیّت کے اصول کے خلاف حضرت عائشہؓ کا ایک قول پیش کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے " یہ کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّن ہیں لیکن یہ مت کہو کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند حدیث کہ " میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" کی مخالفت میں حضرت عائشہؓ کا قول پیش کرنا انتہائی ناموزوں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب یہ روایت خود معتبر نہیں۔ کسی قابلِ ذکر محدّث

نے اسے کسی معتبر کتاب میں روایت نہیں کیا۔ یہ صرف دُرِّ منثور، جو قرآنِ کریم کی تفسیر ہے، اور تکملہ مجمع البحار، جو حدیث کی "ڈکشنری ہے" میں مذکور ہے لیکن سند کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ ناقابلِ اعتماد ہے اور کسی بھی معروف عالم نے اسے لائقِ التفات نہیں سمجھا۔

ایک اور قابلِ توجہ روایت جو ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کے بارے میں فرمایا:۔
لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ "اگر ابراہیم زندہ رہتا تو وہ صدیق نبی ہوتا۔"

جیسا کہ الموضوعات الکبریٰ صفحہ ۵۸ میں مذکور ہے، امام نووی نے اس روایت کو باطل اور مردود قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں ابو شیبہ نامی شخص ضعیف ہے۔ امام ترمذی نے اسے حدیث میں ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے اسے حدیث میں ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اس کے قول کا کوئی وزن نہیں ہے۔ امام ابو حاتم نے اسے حدیث میں ناقابلِ اعتماد کہا ہے۔
تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحات ۱۴۴ - ۱۴۵)

مسلمانوں کے ہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے عقیدے کے بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی تاریخ اور ارتقاء کو بیان کیا جائے۔

مرزا صاحب ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں موضع قادیان ضلع گورداسپور، پنجاب کے اس حصے میں جو اب بھارت میں واقع ہے، پیدا ہوئے تھے۔ یہ مرزا صاحب کی اپنی تحریروں

کے مطابق ہے۔ لیکن بعد میں ان کے خاندان کے افراد میں اُن کے سالِ ولادت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اُن کے بیٹے مرزا بشیر احمد جو اُن کے سوانح نگار اور سیرت المہدی کے مصنف ہیں' کے پہلے نظریے کے مطابق سالِ ولادت ۱۸۳۶ء یا ۱۸۳۷ء ہو سکتا ہے۔ (سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۰) نظر ثانی کے بعد انہوں نے تاریخ ولادت ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مقرر کی (سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۷۶) ایک تخمینے کے مطابق سالِ ولادت ۱۸۳۱ء ہو سکتا ہے (ایضاً ۷۴) معراج دین نے تاریخ ولادت ۷ فروری ۱۸۳۲ء مقرر کی ہے (ایضاً صفحہ ۳۰۲) جبکہ دیگر ۱۸۳۳ء یا ۱۸۳۴ء کو سالِ ولادت قرار دیتے ہیں (ایضاً صفحہ ۱۹۴)۔

مرزا بشیر احمد اور ان دوسرے لوگوں کی' جو مرزا صاحب کو ایسا نبی مانتے ہیں جسے اللہ کی طرف سے خدائی علم عطا ہوا تھا (اور اسی لئے انہیں اپنے سالِ ولادت کے بارے میں غلطی نہیں کرنی چاہیئے تھی) ان متناقض آراء کی وجہ معلوم کرنا کچھ بعید نہیں۔ مرزا صاحب اپنی وفات کے وقت تقریباً انہتر سال کی عمر میں تھے (۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا) کہا جاتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک صوفی نعمت اللہ ولی نے اپنی ایک مسلسل نظم میں مسلمانوں کے اندر رُونما ہونے والے مستقبل کے واقعات کی پیشگوئیاں کی ہیں اور تیرھویں صدی ہجری کے اختتام اور چودھویں صدی کے آغاز پر کسی ایسے شخص کی آمد کی پیشگوئی کی ہے جو شریعت کی تجدید کرے گا۔ مرزا صاحب نے اس نظم کو اپنے اوپر منطبق کیا۔ ایک شعر میں پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ شخص اپنے ظہور یعنی خدائی انتخاب کی خلعت سے سرفرازی سے چالیس سال بعد تک زندہ رہے گا۔ مرزا صاحب نے اس شعر کے مفہوم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اس منصب پر چالیس سال کی عمر میں

فائز ہوئے تھے اور اَسّی سال یا اس کے قریب کی عمر تک زندگی پائیں گے (نشان آسمانی صفحہ ۱۵) پھر انہوں نے ایک خدائی الہام کے نزول کا دعویٰ کیا۔

"اَطَالَ اللّٰہُ بَقَاءَکَ " اَسّی پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم"

یوں اس الہام کے مطابق انہیں پچھتر یا پچاسی سال کی عمر کے درمیان کسی وقت فوت ہونا تھا۔ ان کی عمر کو زیادہ ثابت کرنے اور اُن کے عرصۂ حیات کو پچھتر سال کے قریب تر لانے کی مساعی سے مقصود اس پیشگوئی اور الہام کی صحت وصداقت کو ثابت کرنا ہے۔

پیشگوئی کی تکمیل کو منوانے کی تمنا کا انکشاف قادیانیت کے ایک مبلغ مولوی عبدالرحیم درد ایم۔ اے کے ایک خط سے ہوتا ہے جو اس نے سیرت المہدی کے مؤلف مرزا بشیر احمد کو مرزا صاحب کی عمر کی بابت اُن کی تحقیق کو سراہتے ہوئے لکھا تھا۔ اُس نے اُن پر زور دیا کہ اس مسئلے کو قطعی طور پر حل کر دیا جائے تاکہ سالِ ولادت ۱۸۳۶ء اور ۱۸۳۷ء کے مابین طے کر دیا جائے۔ اَسّی یا اس کے قریب کے الہامات جن کا اعادہ اربعین ۳ صفحہ ۳۶، تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹، ازالۂ اوہام صفحات ۶۳۴ تا ۶۳۸ میں کیا گیا ہے، کا ذکر کرتے ہوئے اُس نے لکھا کہ

"مرزا صاحب نے ان الہامات کا مفہوم یوں بیان کیا تھا۔

"جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو ۷۴ اور ۸۶ کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔"

پس اگر آپ کی عمر شمسی یا قمری حساب سے اس کے اندر اندر ثابت ہو جائے تو الہامات پورے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر آپ کی پیدائش ۱۸۳۶ء و ۱۸۲۲ء کے اندر

ثابت ہو جائے تو کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔" (سیرۃ المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷-۱۸۸ نمبر ۶۳ ۷)، اسی دلیل کا انکشاف سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۷۶ پر بھی کیا گیا ہے۔

مرزا بشیر احمد نے تاریخ ولادت ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء طے کرنے کے بعد ہجری کیلنڈر کے مطابق مرزا صاحب کی عمر پچھتّر سال سے زیادہ نکالی ہے۔

مرزا صاحب ایک ایسے زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جو اگرچہ ماضی میں متمول اور خوشحال تھا لیکن اُن کی پیدائش کے وقت سخت مالی مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ اُن کے والد غلام مرتضیٰ نے ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے اپنی وفاداری کا مظاہرہ کیا تھا اور جنگِ آزادی کے مجاہدین جنہیں حکومتِ وقت باغی قرار دیتی تھی، کو کچلنے میں مدد دینے کی خاطر برطانوی فوج کو پچاس گھوڑے اور پچاس رنگروٹ فراہم کئے تھے۔ اس کے صلہ میں انہیں حکومت کے ہاں کچھ عزت حاصل تھی۔ اس لئے برطانوی حکومت کی مدح و ستائش کا رجحان مرزا صاحب کے اندر بچپن سے موت تک پختہ رہا۔ وہ اپنی متعدد کتابوں اور رسالوں میں برطانوی حکومت سے اپنے والد کی وفاداری اور گورنر کے دربار میں ایک نشست کا اعزاز پانے کا تذکرہ بڑے فخر سے پیش کرتے اور دہراتے ہیں اور اپنی تحریروں میں مذکورہ حکومت سے خود اپنی لازوال وفاداری کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

مرزا صاحب نے چند اساتذہ سے کچھ دینی تعلیم پائی تھی۔ خاندان کی مالی حالت کی وجہ سے انہیں پندرہ روپے ماہانہ کی قلیل تنخواہ پر سیالکوٹ کی عدالتوں میں کلرک کی آسامی پر ملازمت کرنا پڑی جو ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک جاری رہی۔ بعد ازاں انہوں نے ملازمت سے استعفا دے دیا اور خاندانی جائداد کی بحالی کی خاطر مقدمہ بازی

اور مذہبی لٹریچر کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ تقریباً پینتیس سال کے ہوئے تو اُن کے والد کا انتقال ہو گیا (کتاب البریۃ صفحہ ۱۴۶ تا ۱۴۹)۔ گزشتہ صدی کے ساتویں عشرے کے اختتام پر انہوں نے عیسائیت، آریہ سماج اور براہمو سماج کے خلاف کچھ مضامین تحریر کرنا شروع کئے۔ اور ان مذاہب کے عالموں اور پیروکاروں کے ساتھ مباحثے اور مناظرے کئے۔ اس طرح مسلمان علماء اور پڑھے لکھے طبقے میں اُن کا تعارف ہوا اور ان حلقوں میں انہیں کچھ مقبولیت حاصل ہو گئی۔

۱۸۷۹ء میں انہوں نے ایک پمفلٹ میں عیسائیت اور ہندومت پر اسلام کی برتری کے ثبوت پر ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ مشتہر کیا، جو تین سو دلائل پر مشتمل ہو گی۔ اپنے پاس طباعت کی رقم نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے عطیات، چندے یا کتاب کی پیشگی قیمت بھیجیں۔ انہوں نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۷ پر لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ تالیف کی تو اُسے چھپوانے کے لئے ان کے پاس رقم نہ تھی۔ انہوں نے اللہ سے التجا کی اور ایک الہام کے نزول کا دعویٰ کیا، جس کے مطابق انہوں نے خطوط لکھے اور مختلف ذرائع سے رقم حاصل کی۔ کتاب کی قیمت پہلے دوسروں کے لئے ۲۵ روپے اور مسلمانوں کے لئے ۱۰ روپے مقرر کی گئی (دیکھئے براہین احمدیہ جلد ۳ طبع ۱۹۷۰ء ٹائیٹل پیج کی پشت پر)۔ پہلی دو جلدوں کی طباعت کے بعد اس کی قیمت دوسروں کے لئے ۱۰۰ روپے اور مسلمانوں کے لئے ۱۰ روپے یا ۱۵ روپے رکھی گئی تھی۔ (ایضاً صفحہ ۶۷)۔ لوگوں کی کافی تعداد نے کتاب کی قیمت پیشگی ادا کر دی، لیکن ۱۸۸۴ء تک چار سالوں میں کتاب کی صرف چار جلدیں طبع ہو سکیں۔ پانچویں جلد ۱۹۰۵ء میں چھپی۔ چوتھی اور پانچویں جلد کی طباعت

کے مابین دو عشروں سے زیادہ مدت میں مرزا صاحب نے تقریباً اسّی کتابیں تالیف کیں۔ تاہم وہ پوری کتاب کی قیمت ادا کرنے والوں کے احتجاج اور کئی لوگوں کی مخالفانہ تنقید کے باوجود پانچویں جلد مکمل نہ کر سکے۔ (ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱)۔ کتاب کی پہلی جلد صرف ۸۲ صفحات پر مشتمل تھی (جو ۱۹۰۰ء کے ایڈیشن میں مختصر ہو کر صرف ۲۵ صفحات رہ گئی ہے)۔ یہ ۱۸۸۰ء میں چھپی تھی اور کتاب کی ضرورت کے مبادیات، عطیات دہندگان کی فہرست، چند نظموں اور ایک پمفلٹ جس میں ایسے شخص کو جو اپنے مذہب کی الہامی کتابوں سے خواہ دلائل کا پانچواں حصہ ہی غلط ثابت کر دکھائے ۱۰,۰۰۰ روپے کی انعامی رقم دینے کا وعدہ کیا گیا ہے، پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد جو ۵۵ صفحات (نئے ایڈیشن میں ۴۰ صفحات) کے صرف مقدمے پر مشتمل ہے، بھی ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی تھی۔ جلد سوم جو ۳۴ صفحات (نئے ایڈیشن میں ۱۰۰ صفحات) پر مشتمل ہے، ۱۸۸۲ء میں چھپی تھی جبکہ جلد چہارم جو ۲۸۲ صفحات (نئے ایڈیشن میں ۱۹۱ صفحات) پر مشتمل ہے، ۱۸۸۴ء میں چھپی تھی۔ (دیکھئے سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ تواریخ طباعت کے لئے)۔ کتاب کی جلد پنجم (صفحہ ۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً مرزا صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ اسے پچاس جلدوں میں چھپوایا جائے اور چندہ دینے والوں کی ایک بڑی تعداد سے کتاب کی پیشگی قیمت وصول کر لی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اعلان کر دیا کہ چونکہ ۵ اور ۵۰ کے ہندسوں میں صرف ایک صفر کا فرق ہے، اس لئے جلد پنجم کی طباعت کے ساتھ ہی ان کا وعدہ پورا ہو گیا ہے۔

کتاب کی طباعت سے کافی عرصہ پہلے اس کے تشہیری پمفلٹوں کے جواب میں مسلمانوں کے موافق ردعمل کے باوجود مرزا صاحب نے متموّل مسلمانوں کی شکایت

کرنے اور اُن پر بے اعتنائی اختیار کرنے کے الزامات لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ عطیات کی صرف دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں۔ صرف ایک شخص کی طرف سے پانچ ہزار روپے جو موجودہ وقت میں کئی لاکھ کے مساوی ہوتے ہیں، پیش کئے گئے، جبکہ ایک دوسرے شخص نے پانچ سو روپے کی رقم دو قسطوں میں پیش کی۔ (دیکھئے عرضِ ناشر، براہین احمدیہ۔ جلد اوّل صفحہ ۵ طبع ۱۹۷۰ء)

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہیں تین لاکھ سے زیادہ الہامات ہوئے، ان میں سے پچاس ہزار مالی امور سے متعلق ہیں۔ یعنی آیا اور کب مال حاصل کیا جائے۔ اس دعوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن میں مالی امور ہر چیز سے بلند تھے۔

براہینِ احمدیہ جس میں تین سو دلائل کا وعدہ کیا گیا تھا، کا مرکزی موضوع خدائی الہامات یا وحی ہیں جو بقول مرزا صاحب، نبی پاک کے ان متبعین میں ہمیشہ جاری رہتے ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ مقصد جس کی خاطر کتاب کی طباعت کا وعدہ کیا گیا، پورا ہوا یا نہیں تاہم جو واحد مقصد پیشِ نظر تھا اور اس کا کوئی وعدہ نہ تھا، خوب پورا ہوا۔ جلد سوم اور چہارم کا مرکزی نقطہ مرزا صاحب کے وہ مزعومہ الہامات اور خیالات ہیں جو اُن کے آگے جا کر مسیح موعود، مہدی معہود اور نبی ہونے کے دعوؤں کی بنیاد بنے تھے۔ تاہم مامور من اللہ (اللہ کی جانب سے مامور) ہونے کا اساسی دعویٰ کتاب کی جلد سوم میں کیا گیا تھا۔ (سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱) جبکہ جلد چہارم میں انہوں نے مجدّدیت کی نشانی ملنے کا دعویٰ کیا (براہین صفحہ ۵۰۲ اور ۵۰۳، حیاتِ طیبہ از عبدالقادر صفحہ ۶۹، سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

اس طرح کتاب کو عوام کے اخراجات سے چھپوانے کا حقیقی مقصد اپنی

ذات کی تشہیر، اپنے مزعومہ الہامات کا اعلان اور اپنے ان خیالات کی اشاعت جو آخر الامر انہیں نبوت کا دعویٰ کرنے میں مدد دے سکیں، کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اس آخری نکتے کی صحت کے ثبوت کے لئے براہین احمدیہ سے چند اقتباسات دیئے جاتے ہیں:۔

(۱) اور یہ بھی ان کو معلوم رہے کہ تحقیق الہام ربّانی کے لئے کہ جو خاص خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے ایک اور راستہ بھی کھلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُمّت محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر ثابت اور قائم ہیں، ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے ملہم ہو کر ایسے امور غیبیہ بتلاتے ہیں جن کا بتلانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں. اور خداوند تعالےٰ اس پاک الہام کو انہیں ایمانداروں کو عطا کرتا ہے کہ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں اور صدق اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں (صفحہ ۲۱۵)

(۲) اور گو وحی بجہت عدم ضرورت منقطع ہے لیکن یہ الہام کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے با اخلاص خادموں کو ہوتا ہے یہ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہو گا. اور یہ الہام وحی رسالت پر ایک عظیم الشان ثبوت ہے (صفحہ ۲۱۵)

(۳) پھر نہ معلوم مولوی صاحب نے کہاں اور کس سے سُن لیا کہ لفظ الہام کے وہی معنی کرنے چاہئیں جو کتب لغت میں مندرج ہیں جبکہ سواد اعظم علماء کا الہام کو وحی کا مترادف قرار دینے میں متفق ہے (صفحہ ۲۲۱)

(۴) مگر مناسب ہے کہ اس قدر ضرور ظاہر کر دیں کہ ہم میں اور دوسری تمام جماعت مسلمانوں میں نزاع لفظی ہے۔ جن اعلامات الٰہیّہ کا نام ہم وحی رکھتے ہیں انہیں کو علماءِ اسلام اپنے عرف میں الہام بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔

(۵) انہیں معنوں کر کے تو علماء وارث الانبیاء کہلاتے ہیں اور باطنی علم کا ورثہ اُن کو نہیں مل سکتا تو پھر وہ وارث کیونکر اور کیسے ہوئے (صفحہ ۲۳۱)

(۶) کیا آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں کہ اس امت میں محدث ہوں گے (صفحہ ۲۳۱)

(۷) ان ضلالتوں کا نہایت پر زور ہونا اور زمانہ کا نہایت فاسد ہونا اور منکروں کا نہایت مکار ہونا اور غافلوں کا نہایت خوابیدہ ہونا اور مخالفوں کا اشد فی الکفر ہونا اس بات کے لئے بہت ہی تقاضا کرتا ہے کہ ایسے شخص کا علم لدنّی مشابہ بالرسل ہو اور یہی لوگ ہیں جن کا نام احادیث میں امثل اور قرآن شریف میں صدیق آیا ہے (صفحہ ۲۳۳)

(۸) اور ان لوگوں کا زمانۂ ظہور پیغمبروں کے زمانۂ بعث سے بہت ہی مشابہ ہوتا ہے یعنی جیسے پیغمبر اس وقت آتے رہے کہ جب دنیا میں

سخت درجے پر گمراہی اور غفلت پھیلی رہی ایسا ہی یہ لوگ بھی اس وقت آتے ہیں کہ جب ہر طرف گمراہی کا سخت غلبہ ہوتا ہے اور حق سے ہنسی کی جاتی ہے (صفحہ ۲۲۳)۔

(۹) یا احمد بارك الله فيك (صفحہ ۲۳۸)۔

اى اول نائب الى الله بامر الله فى هذا الزمان قل جاء الحق و زهق الباطل قل ان افتريته فعلى اجرامى هو الذى ارسل رسوله بالهدى (صفحہ ۲۳۹)۔

يا احمد فاضت الرحمة على شفتيك انك باعيننا يرفع الله ذكرك (صفحہ ۲۴۱)۔

يا ايها المدثر قم فانذر و ربك فكبّر انى رافعك الى و القيت عليك محبّة منى (صفحہ ۲۴۲)۔

ترجمہ

اے احمد اللہ تجھ میں برکت دے۔

تو اللہ کے حکم سے اس زمانے میں اللہ کا پہلا نائب ہے۔

تو کہہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔

تو کہہ اگر میں نے اسے جھوٹ بنا لیا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔

اے احمد تیرے ہونٹوں پر رحمت جاری ہو گئی ہے۔ بے شک تو ہماری نگاہوں میں ہے۔ اللہ تیرا ذکر بلند کرے گا۔

اے مدثر اٹھ پس ڈرا اور اپنے رب ہی کی بڑھائی بیان کر۔ میں تجھے اپنے پاس اٹھاؤں گا۔ اور تجھ پر میں نے اپنی محبت ڈال دی ہے۔

(۱۰) اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آں رسولِ مقبول کے اسمار یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالات قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب علم ارشدك الله تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اُن کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں، اس طرح اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افرادِ اُمتِ محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلّل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں..... اپنے رسولِ مقبولؐ کی برکتیں اُن کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ منجانب اللہ اُن کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات اُن سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسولِ کریم ہی ہوتا

ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اُسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا اپنے غایت اتباع کے جہت سے اس شخص نورانی کے لئے جو وجود باجود حضرت نبوی ہے مثل ظلّ ٹھہر جاتا ہے۔ اس لئے جو کچھ اُس شخص مقدّس میں انوار الہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔ اس کے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔ (صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴ نیز دیکھئے صفحہ ۳۰۱)

(۱۱) یا ادم اسکن انت و زوجك الجنة. یا مریم اسکن انت و زوجك الجنة. یا احمد اسکن انت و زوجك الجنة نفخت فيك من لدنی روح الصّدق (۴۹۶)

جس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یوں کیا ہے:۔

"اے آدم اے مریم اے احمد تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی رُوح تجھ میں پھونک دی ہے (پھر وضاحت کرتے ہیں کہ) اس آیت میں بھی روحانی آدم کا وجہ تسمیہ بیان کیا گیا یعنی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش بلا توسط اسباب (ماں باپ) ہے ایسا ہی روحانی آدم میں بلا توسط اسباب ظاہریہ نفخ روح ہوتا ہے اور یہ نفخ حقیقی طور پر انبیاء علیہم السّلام سے خاص

ہے اور پھر بطور تبعیت اور وراثت کے بعض افراد خاصہ امتِ محمدیہ کو یہ نعمت عطا کی جاتی ہے (صفحہ ۴۹۰)

(۱۲) انا انزلناہ قریبا من القادیان۔ و بالحق انزلناہ و بالحق نزل۔ صدق اللہ و رسولہ و کان امر اللہ مفعولا۔

مرزا صاحب نے اس کی توضیح یوں کی ہے:۔

یعنی ہم نے ان نشانیوں اور عجائبات کو اور نیز اس الہام پُر از معارف و حقائق کو قادیان کے قریب اتارا ہے اور ضرورت حقّہ کے ساتھ اتارا ہے اور بضرورت حقّہ اترا ہے۔ خدا اور اُس کے رسول نے خبر دی تھی جو اپنے وقت پر پوری ہوئی اور جو کچھ خدا نے چاہا تھا وہ ہونا ہی تھا۔

یہ آخری فقرات اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کے ظہور کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث متذکرہ بالا میں اشارہ فرما چکے ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں اشارہ فرما چکا ہے۔ چنانچہ وہ اشارہ حصہ سوم کے الہامات میں درج ہو چکا ہے اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے۔

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دین اسلام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ غلبہ

مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام
دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین
اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر
کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار
اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے اور اس
عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی
ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل
ہیں۔ اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع
اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز
بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل
اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ (مرزا صاحب)
احمدؐ ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ (مرزا صاحب) محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم
(یہ ملحوظ رہے کہ مرزا صاحب جب اپنا تذکرہ کرتے ہیں تو صلی اللہ علیہ وسلم
کے کلمات استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ صرف انبیاء کے لئے مستعمل ہیں)
سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے
خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک
کر رکھا ہے یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی
طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور
مورد ہے یعنی روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین

ساطعہ پر موقوف ہے۔ اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو (صفحہ ۴۹۸، ۴۹۹)

(۱۳) پس خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج فرما دے (صفحہ ۵۰۱)۔

(۱۴) غرض خداوند کریم نے جو اسباب اور وسائل اشاعت دین کے اور دلائل اور براہین اتمام حجت کے محض اپنے فضل اور کرم سے اس عاجز کو عطا فرمائے ہیں وہ امم سابقہ میں سے آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائے۔ (صفحہ ۵۰۲)

(۱۵) یہ عاجز اس مقام تک لکھ چکا تھا کہ شہاب الدین نامی ایک شخص نے بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے مولوی صاحبان اس قسم کے الہام سے کہ جو رسولوں کے وحی سے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں.... اُن کے اس بارہ میں حجت یہ ہے کہ اگر یہ الہام حق اور صحیح ہے تو صحابہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پانے کے لئے احق اور اولیٰ تھے...... اس کی تصدیق کے لئے شیخ عبدالقادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دوسرے

اولیاء اللہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ کس کثرت سے ان کے الہامات پائے جاتے ہیں بلکہ امام ربانی صاحب اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں جو مکتوب پنجاہ ویکم ہے اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات و مخاطبات حضرت احدیت سے مشرف ہوتا ہے اور ایسا شخص محدّث کے نام سے موسوم ہے اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے۔ (صفحہ ۵۴۶)

(۱۶) خدا نے تجھ کو ترک نہیں کیا اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے۔ کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا۔ کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصد تعبد وصحت نیّت وحسن ایمان داخل ہو گا وہ سوء خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔ بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کے لئے مشغول رہا اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے کہ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے اور آخری فقرہ مذکورہ بالا اسی مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے جس کے حروف سے بنائے مسجد کی تاریخ بھی نکلتی ہے اور وہ یہ ہے مبارك و مبارك وكل امر مبارك يجعل فيه یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اس میں کیا جائے گا۔ (صفحہ ۵۵۹)

براہین احمدیہ کے حصّہ سوم اور چہارم کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نکات اخذ ہوتے ہیں :۔

(۱) مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست ربط رکھنے اور ہم کلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(۲) مرزا صاحب نے اپنے الہام کو وحی کا نام دیا اور علماء کی طرف سے ممکنہ اعتراض کے خوف کی وجہ سے لکھا کہ یہ صرف لغوی نزاع ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف سے حاصل کردہ معلومات کو وحی کہا ہے جبکہ علماء اسے الہام کہتے ہیں۔

(۳) مرزا صاحب کو امورِ غیبیہ اور مستقبل کے واقعات کا علم دیا گیا تھا۔

(۴) گناہوں سے پُر اس عہد میں اس طرح کا مصلح ایک پیغمبر کی مانند ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو حدیث میں امثل اور قرآن میں صدیق کہا گیا ہے۔

(۵) اُن جیسے لوگوں کا ظہور پیغمبروں کی بعثت سے مماثلت رکھتا ہے۔

(۶) اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مانند کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص آپؐ اور آپؐ کی سُنّت کی کامل اتباع کرے تو وہ آپ کا ظلّ (سایہ) ہو سکتا ہے۔

(۷) ظلّ کی حالت اور رویّے کا اظہار اصل رہنما کی شخصیت کا اظہار ہے۔

(۸) اگر اصل حامد ہے تو ظلّ احمد ہے اور اگر اصل رہنما محمود

ہے تو ظلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور مرزا صاحب لفظ محمد کے بعد جو اُن کے خیال میں ان کا نام ہے صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات، جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہیں، استعمال کرتے ہیں اور رسولِ پاک کے اسماء کے بعد یہ کلمات نہیں لکھتے۔

(۹) مرزا صاحب حضرت عیسیٰؑ سے مشابہت رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ اپنے ظہور کی پیشگوئی کا ظاہری اور جسمانی مصداق تھے جبکہ اُس کا روحانی اطلاق مرزا صاحب پر ہوتا ہے۔

(۱۰) محدّث کے ظہور کی پیشگوئی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور مجدد الف ثانی کے قول کے مطابق محدّث وہ شخص ہوتا ہے جسے براہ راست اللہ سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور اس کا مرتبہ انبیاء کے مرتبے سے قریب تر ہوتا ہے۔

(۱۱) قرآنی آیت هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله، مرزا صاحب کے لئے نازل ہوئی۔

(۱۲) اگرچہ مندرجہ بالا آیت مادی اور سیاسی اعتبار سے حضرت مسیح کے لئے پیشگوئی ہے لیکن مرزا صاحب دنیا میں حضرت مسیح کے ظہور اوّل کا نمونہ ہیں اور دونوں ایک ہی جوہر کے ٹکڑے ہیں۔

(۱۳) ۔اللہ نے مرزا صاحب کو وحی بھیجی کہ اُس نے انہیں بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کئے ہیں۔ بیت الفکر وہ چبارہ تھا جہاں بیٹھ کر انہوں نے براہینِ احمدیہ لکھی اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے جو اس چوبارے

کے نزدیک بنائی گئی تھی۔ الہام کی رُو سے یہ مسجد متبرک ہے اور برکتیں عطا کرتی ہے اور اس میں ہر برکت والا کام کیا جائے گا۔

ان نکات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اپنے دعویٰ کی بنیاد اٹھاتے ہوئے مرزا صاحب نے تسلسل کے ساتھ الہام پر زور دیا ہے جسے وہ اپنی بیان کردہ وجوہات کی بناء پر وحی کہتے تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۲ء میں دعویٰ کیا کہ وہ مامور من اللہ ہیں اور ان کا مقصد اصلاح ہے' اس کی تفصیلات براہین احمدیہ کی جلد سوم میں موجود ہیں لیکن اس کے بعد انہوں نے مجدّد ہونے کا دعویٰ کرنے میں دو سال لگا دیئے۔ مسیح ہونے کے دعویٰ کے لئے انہوں نے لکھا کہ وہ عیسیٰؑ سے مماثلت رکھتے ہیں اور وہ وہی شخص ہیں جو وہی کام انجام دے گا جس کے لئے عیسیٰؑ کو جسمانی شکل میں بھیجا گیا۔ ظلّی نبوّت کے دعویٰ کے لئے انہوں نے کہا کہ اُن کی طرف وحی نازل ہوتی ہے جو قرآن کی زبان اور آیات کی شکل میں ہوتی ہے اور وہی آیت ۴۸ : ۲۸ کا مصداق ہیں۔ وہ نبی کے ظلّ ہیں اور ظلّ اصل کی تمام صفات کا حامل ہوتا ہے۔ اس طرح مسیح موعود اور نبی ہونے کے آیندہ دعویٰ کے سلسلے میں تمام رکاوٹیں دُور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اپنے دعویٰ کے مطابق اُن پر الہامات کے نزول کی کیفیات پانچ ہیں جن میں سے دو اس کیفیت سے انتہائی مشابہت رکھتی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے وقت طاری ہوتی تھی۔

ان حوالوں میں سے ایک حوالہ ایسا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسیٰؑ اس دنیا میں مسیح کی صورت میں جسمانی طور پر آ رہا ہے۔ بعد میں جو کچھ کہا گیا وہ صرف یہ ثابت کرنے کی ایک کوشش تھی کہ مسیح کشمیر میں قدرتی موت مر چکا ہے اور اُس کا جسمانی حالت میں دوبارہ آنا ناممکن ہے۔ نتیجۃً مثیلِ مسیح یعنی مرزا صاحب کو مسیح کے دوبارہ آمد کی پیشگوئی پوری کرنا پڑی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں ایک واضح آیت موجود ہے۔ یہ رکاوٹ اس طرح دُور کی گئی کہ لفظ خاتم کے نئے معانی دریافت کیے گئے کہ آج کے بعد نبی امت مسلمہ سے بھیجے جائیں گے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے سند حاصل کریں گے۔

گو مہدی کا ذکر نہیں لیکن مرزا صاحب نے اپنے اندر جن صفات کا دعویٰ کیا تھا اُن کے پیش نظر مہدی ہونے کا دعویٰ کرنا مشکل نہ تھا۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد عیسائی مشنریوں سے بھی مناظرے کیے۔ عبداللہ آتھم ایک عیسائی تھا جو مناظرہ بازی کا ماہر تھا۔ مرزا صاحب نے ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے ۵ جون ۱۸۹۳ء تک اس کے ساتھ اور دیگر عیسائی مشنریوں کے ساتھ مناظرے کیے، جو اسلام بحیثیت مذہب کے سچا اور برتر ہونے کے بارے میں تھے۔ مناظرے کے آخری دن مرزا صاحب نے ایک پیشگوئی اس طرح کی:

> " آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور اِبتہال سے جنابِ الٰہی میں دعا کی کہ تُو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص

سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب یہ پیشین گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے .... میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کو تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ اور رُوسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جائے مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ (جنگ مقدس صفحات ۱۸۳۔۱۸۴، سلسلہ تصنیفات جلد ۵ صفحہ ۶۲ ۲۵)۔

۲۲ر اگست ۱۸۹۴ء کو مرزا صاحب نے ایک مکتوب منشی رستم علی کو لکھا جس میں انہوں نے اس اضطراب کا اظہار کیا کہ وہ شخص (آتھم) ابھی تک صحت مند اور موٹا تازہ ہے۔ انہوں نے امتحان سے بچ جانے کی دعا مانگی۔ (مکتوباتِ احمدیہ حصہ پنجم۔ مکتوب نمبر ۲، صفحہ ۱۲۸، قادیانی مذہب صفحہ ۳۲۴)

سیرت المہدی (جلد اوّل صفحہ ۱۵۹۔۱۶۰) میں ان اقدامات کا ذکر ہے جو مرزا صاحب نے اپنی پیشگوئی کو پورا کرنے کے سلسلے میں کئے۔ اس کتاب میں یہ کہا گیا ہے کہ میاں عبداللہ سنوری نے انہیں اطلاع دی کہ آتھم کے بارے میں پیشگوئی کی میعاد پوری ہونے سے ایک دن پہلے مسیح موعود نے اُسے اور میاں احمد علی کو کہا کہ وہ اتنے وزن میں چنے

لائیں اور اُن پر فلاں سورہ قرآن اتنی بار پڑھیں (مصنف کو تعداد اور سورہ یاد نہیں)۔
میاں عبداللہ سنوری نے کہا کہ اس نے قرآن کی اس سورہ کی تلاوت تمام رات کی. مرزا صاحب دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی جانب لے گئے اور حکم دیا کہ یہ چنے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال دیں اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر پیچھے دیکھے بغیر لوٹ آئیں. دونوں نے حسبِ ہدایت عمل کیا۔

پیشگوئی کے آخری دن احمدیوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے اور وہ انتہائی مایوس تھے. بعض لوگوں نے لاعلمی کی بناء پر آتھم کی موت پر شرط لگا دی تھی. ہر طرف دل گرفتگی اور مایوسی پھیلی ہوئی تھی. لوگ دعاؤں میں روتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے کہ انہیں بے عزت نہ کیا جائے (سیرت مسیح موعود از شیخ یعقوب علی قادیانی مذہب صفحہ ۲۲۵)۔

مرزا صاحب نے اس کی وضاحت یہ کہہ کر کی کہ پیشگوئی اس شرط کے تحت تھی کہ آتھم (اپنے عقائد سے) دستبردار نہ ہو. پس خود مناظرہ میں ہی اُس نے لفظ دجّال واپس لے لیا تھا جو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ستر افراد کے سامنے کہا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کا یہ رجوع مسلسل پندرہ مہینوں کی خاموشی کے ذریعے ثابت ہو گیا. پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی کہ اُس (آتھم) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا تھا اور اس گناہ کی پشیمانی کی شدت سے وہ پندرہ مہینوں کے بعد مر گیا. (روحانی خزائن حصہ نہم صفحہ ۶ از کشتی نوح مطبوعہ ۱۹۰۲ء نیز دیکھئے حقیقۃ الوحی صفحہ ۸)

مرزا صاحب نے "نسیم دعوت" (مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۹۱) میں لکھا کہ بعض دفعہ پیشگوئی کی تکمیل گناہ کی پشیمانی سے مؤخر ہو جاتی ہے. پیشگوئی کی تکمیل پر کوئی اعتراض اسی صورت

میں وارد ہو سکتا تھا جب وہ خود آتھم سے پہلے مرجائیں۔(روحانی خزائن حصہ ۱۹ صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ۱۹۰۷ء، صفحہ ۱۸۵)

یہ ملحوظ رہے کہ پیشگوئی میں اس قسم کی کوئی بات شامل نہ تھی کہ آتھم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کئے تھے۔ پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی کہ آتھم سچے خدا کو چھوڑ کر ایک عاجز انسان کو الوہیت کا درجہ دیتا ہے۔ اشارہ اُس کے انجیلوں پر عقیدے کی طرف تھا۔

پیشگوئی کی تکمیل کے بغیر ہی آتھم کی موت کے لئے مقرر کردہ پندرہ مہینوں کا عرصہ گزر گیا۔

امرتسر کے مولوی ثناء اللہ، مرزا صاحب کے بڑے مخالفوں میں سے ایک تھے۔ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے ایک مکتوب انہیں سخت غصے کے عالم میں (جو مکتوب کی زبان سے عیاں ہے) لکھا جس میں انہوں نے اپنے خلاف ان (مولوی ثناء اللہ) کے اس پراپیگنڈا کا حوالہ دیا کہ وہ کذاب، جھوٹے اور دجّال ہیں اور پھر اعلان کیا:۔

" اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔ اور اگر میں کذّاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرّف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید

رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون' ہیضہ' مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔" ......

آخر میں دعا کی گئی ہے کہ اللہ اس بارے میں اپنا فیصلہ نازل فرمائے۔ (حیات طیبہ صفحہ ۴۲۳ تا صفحہ ۴۲۵)۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ طویل عرصہ تک مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے اور مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں اپنے پیروؤں کے عام مؤقف کے مطابق اسہال سے اور اپنے سسُر کے مؤقف کے مطابق ہیضہ میں مبتلا ہو کر مر گئے (دیکھئے قادیانی مذہب از الیاس برنی صفحہ ۱۳۷)۔

مرزا صاحب کی وفات کے بعد اُن کے مریدوں نے صورت حال کو الجھانا شروع کر دیا کہ یہ مکتوب مباہلہ (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور دعا مانگنا کہ جو شخص صحیح راستے پر نہ ہو وہ مر جائے) کی پیشکش تھی لیکن مولوی ثناء اللہ نے یہ پیشکش قبول نہ کی' حالانکہ یہ مکتوب اس طرح کی تاویل کا متحمل نہیں بلکہ صاف صاف یکطرفہ طور پر ایک ایسا معاملہ ہے جس میں دوسرے کی رضامندی کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ کوئی اہم امر نہیں کہ کون پہلے مرتا ہے۔ مرزا صاحب کی وفات قبل از وفات مولوی ثناء اللہ نے اس لئے اہمیت اختیار کر لی کیونکہ مرزا صاحب سخت اور گستاخانہ زبان استعمال کرتے اور اکثر اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے یا کذاب ہونے کے ثبوت کے طور پر زندگی اور موت کو ٹیسٹ قرار دیتے۔

اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقے اختیار کئے ان میں اپنے مخالفوں کی موت کی پیشگوئی کرنا بھی شامل ہے۔ جب کوئی مخالف مرتا کہ اُسے ایک نہ ایک دن مرنا ہی تھا' تو یہ مرزا صاحب کی مزعومہ بعثت کی سچائی کا ثبوت تصور کیا جاتا۔ آخر کار مرزا صاحب کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (ڈپٹی کمشنر) گورداسپور کے حکم مورخہ ۲۳ اگست ۱۸۹۷ء' جو اُن کے خلاف ۱۰۷ ضابطہ فوجداری کے تحت نقض امن کے سلسلے میں مقدمہ میں جاری کیا گیا' کے ذریعے مجبور کیا گیا کہ وہ کسی شخص کی موت یا تذلیل کی پیشگوئیاں کرنے سے باز رہیں۔ (البریہ صفحہ ۲۶۱) بتایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے عدالت میں یقین دہانی کرائی کہ ایسی زبان استعمال نہیں کریں گے (تبلیغ رسالت حصہ ششم صفحہ ۱۶۸ نیز صفحہ ۱۶۶)۔ لیکن مرزا صاحب نے اس کا انکار کیا ہے۔ تاہم انہوں نے اس قسم کی یقین دہانی ۱۸۹۹ء میں ۲۵ فروری کو مسٹر ایم ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں کرائی (قادیانی مذہب صفحہ ۸۰۵'۸۰۴' تبلیغ رسالت حصہ ہشتم صفحہ ۴۷)۔

براہین احمدیہ' جس میں مرزا صاحب نے وحئ خداوندی کے نزول پر بہت زور دیا ہے کی اشاعت نے مسلمانوں کے جذبۂ تجسّس کو خاصی حد تک ابھارا۔ وہ مرزا صاحب کی دوسری پیشگوئیوں اور اُن کے پورے ہونے کا انتظار کرتے رہتے۔ مرزا صاحب نے اپنی پیشگوئیوں پر مشتمل پمفلٹ بھی شائع کئے۔ یہ پیشگوئیاں پوری نہ ہوئیں۔ اس طرح مرزا صاحب اعتراضات اور تمسخر کا نشانہ بنے اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے انہیں اپنے اقوال کی صحت کے لئے تاویل (کسی لفظ کے واضح معانی کا مختلف مفہوم لینا) کا سہارا لینا پڑا۔

مرزا صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک وحی ایک پمفلٹ میں شائع کی کہ اُن کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گا جس کا نام عمانوئیل اور بشیر ہو گا۔ اس موقع پر جو بھی پیدا ہو گا

وہ دولت میں کھیلے گا اور بڑی شان وشوکت کا مالک ہو گا. جب وہ آئے گا تو وہ اُن کی کئی بیماریاں اپنی معجزانہ طاقت سے دُور کرے گا. وہ کلمۃ اللہ (اللہ کا کلمہ) ہو گا. لوگوں نے اس وحی کے پورا ہونے کا انتظار شروع کر دیا. پھر ایسا ہوا کہ مئی ۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی. اس موقع پر جیسا کہ سیرت المہدی کے مصنف نے کہا جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان رکھتے تھے، مایوس ہوئے جبکہ اُن لوگوں میں جو اُن پر ایمان نہیں رکھتے یا اُن کے مخالف تھے، تمسخر اور ہنسی مذاق کی ایسی لہر اٹھی کہ اس سے زلزلہ کی کیفیت پیدا ہو گئی. مرزا صاحب نے پمفلٹ اور خطوط کے ذریعے اعلان کیا کہ اس وحی میں ایسا کوئی اشارہ نہ تھا کہ اِسی حمل میں لڑکا پیدا ہو گا. (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۸۸).

بعد ازاں اگست، ۱۸۸۷ء میں اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا. اس پیدائش پر بہت خوشی منائی گئی اور جن کا ایمان ڈگمگا گیا تھا، پختہ ہو گیا. لوگوں نے خیال کیا کہ یہ فرزند موعود ہے اور مرزا صاحب بشیر اوّل کی پیدائش پر یہی رائے رکھتے تھے. لوگوں نے مرزا صاحب کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا. لیکن ایک سال بعد وہ لڑکا مر گیا. اس واقعہ نے ملک میں اس قدر طوفان اور زلزلہ بپا کیا کہ اس کی مانند قبل ازیں اور بعد ازیں کبھی دیکھا نہ سُنا گیا. بہت سے ایسے لوگوں کو جو اُن پر یقین رکھتے تھے، ایسا دھکا لگا کہ پھر مرزا صاحب کی طرف راجع نہ ہوئے. مرزا صاحب نے پھر لوگوں کو خطوط اور پمفلٹ کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کی کہ انہیں کبھی یہ یقین نہ تھا کہ یہی لڑکا وحی کا مصداق ہے. چونکہ اُن پر کئی بار وحی کا نزول ہوا جس میں اس کے درجات بہت بلند کیے گئے تو انہوں نے سوچا کہ شاید یہی لڑکا فرزند موعود ہو گا. لیکن خود وحی میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں تھا. ان کے کچھ مریدوں کو اُن کی اس تاویل پر یقین آ گیا جبکہ دیگر پیرد مایوس ہوئے اور مخالفوں

نے تمسخر اڑایا۔ (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۸۸)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ وحی پر مشتمل پمفلٹ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ ایک اور پمفلٹ ۲۲ر مارچ ۱۸۸۶ء کو شائع کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ یہ لڑکا نو سال کے اندر پیدا ہوگا۔ تیسرا پمفلٹ ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا جس میں بیان کیا گیا کہ جلد ہی ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کے پیدا ہونے کا عرصہ حمل کے عرصے سے زیادہ نہ ہوگا۔ (تبلیغ رسالت حصّہ اوّل صفحات ۸۶-۸۷) اسی وجہ سے جب مئی ۱۸۸۶ء میں مرزا صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو لوگوں نے مرزا صاحب کا مذاق اڑایا۔ لیکن مرزا صاحب نے اسے بھی اپنے حق میں استعمال کیا۔ کہا گیا کہ یہ پیشگوئی کبھی نہیں کی گئی کہ اسی حمل سے لڑکا پیدا ہوگا۔ حمل کے عرصے سے زیادہ عرصہ نہ ہونے کے الفاظ کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ لڑکا اڑھائی یا تین سال میں پیدا ہو اور اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نو سال کے اندر لڑکا کسی وقت بھی پیدا ہوسکتا ہے (ایضاً) ظاہر ہے کہ یہ تاویلات لوگوں کو مطمئن نہیں کرسکتی تھیں۔

یہ وضاحت کہ مرزا صاحب کو یقین نہ تھا کہ بشیر اوّل وحی کا مصداق ہے، پمفلٹ ۷ر اگست ۱۸۸۷ء کی روشنی میں پرکھی جاسکتی ہے جس میں مرزا صاحب نے بکمال مسرت پورے اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ اس رات کو ڈیڑھ بجے پیشگوئی سچی ثابت ہوئی اور وہ بابرکت فرزند پیدا ہوا (تبلیغ رسالت حصّہ اوّل صفحہ ۹۹) پمفلٹ کا عنوان ہی خوشخبری رکھا گیا۔ خوشخبری کے پمفلٹ نے ثابت کردیا کہ مرزا صاحب کو خود بھی یقین تھا اور انہوں نے خود ہی یہ خبر عوام میں پھیلائی۔

مرزا صاحب کی محمدی بیگم کے ساتھ شادی کرنے کی کوششیں اور ان میں ناکامی کا سب کو علم ہے۔

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے پمفلٹ میں، جس میں لڑکے کی پیدائش کے بارے میں پیشگوئی تھی، ایک اور پیشگوئی درج کی گئی جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ وحی کی بنیاد پر کی گئی۔ اس میں مرزا صاحب نے لکھا کہ خدا نے انہیں عورتوں کی اچھی خبریں دی ہیں جن میں سے کچھ کو وہ مستقبل میں حاصل کر سکیں گے۔ اُن کے دوسرے پمفلٹوں اور تحریروں سے ظاہر ہے کہ یہ خبریں اُن کی مستقبل کی شادیوں کے بارے میں تھیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مرزا صاحب کی آخری شادی ۱۷ نومبر ۱۸۸۴ء کو ہوئی تھی (حیات طیبہ صفحہ ۵۷)۔

مرزا صاحب نے مولوی نور الدین کے نام ۸ جون ۱۸۸۶ء کے ایک مکتوب میں لکھا کہ تقریباً چار ماہ پہلے اُن پر یہ کشف ہوا کہ اُن کے ہاں ایک صاحب درجات لڑکا تولد ہو گا۔ کچھ عرصہ سے انہیں کئی الہام ہو رہے تھے کہ اُن کی پھر شادی ہو گی اور اللہ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ انہیں ایک نیک اور پاکباز بیوی عطا کی جائے گی، جس سے اُن کی اولاد ہو گی۔ اس کے بعد انہوں نے شادی کے دو پیغامات بھیجے جو نامنظور ہوئے۔ (مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم مکتوب نمبر ۲)

مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بارہا انہیں پیشگوئی کے طور پر مطلع کیا کہ اُن کی شادی مرزا احمد بیگ کی بڑی لڑکی سے ہو گی خواہ کنوارپن کی حالت میں خواہ بیوگی کی صورت میں۔ (ازالۂ اوہام صفحہ ۳۹۶)

۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کو مرزا صاحب کی طرف سے شادی کی درخواست کا ایک خط اخبار نور افشاں میں شائع ہوا۔ اُن کے مخالفوں نے انہیں اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا لیا۔ مرزا صاحب نے جواب میں ایک اور پمفلٹ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۸۸۸ء کو شائع کیا جس میں

انہوں نے اپنے اس خط کا جواز پیش کیا اور پھر کہا کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں مرزا احمد بیگ کی بڑی لڑکی محمدی بیگم کے رشتہ کے لئے کہا ہے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جو طریق کار اختیار کیا اس کی تفصیل دی۔ اُن کے بعض قریبی رشتہ داروں نے اُن سے نشانات طلب کئے۔ لڑکی (محمدی بیگم) کا والد اُن کا تابع فرمان تھا اور اپنی لڑکیوں کو اُن (رشتہ داروں) کی لڑکیاں تصور کرتا تھا اور وہ بھی یہی تصور کرتے تھے۔ وہ مرزا صاحب کو جھوٹا اور کذّاب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اسلام اور قرآن کریم پر اعتراضات کئے اور مرزا صاحب سے نشانیاں طلب کیں۔ اس وجہ سے مرزا صاحب نے اُن کے لئے کئی بار دعا کی' جو اس طرح قبول ہوئی کہ لڑکی کے والد نے اُن سے ایک مسئلے میں مدد چاہی۔ اس کی بہن مرزا صاحب کے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین سے شادی شدہ تھی۔ غلام حسین گذشتہ پچیس سال سے لاپتہ تھا۔ اس کی زمین جس کے مرزا صاحب قانونی وارث تھے اس کی بیوی کے نام کاغذات مال میں درج کرائی گئی تھی۔ اس کا بھائی احمد بیگ چاہتا تھا کہ اس زمین جس کی قیمت چار پانچ ہزار روپے تھی' کا ہبہ اس کے لڑکے محمد بیگ کے نام ہو جائے۔ غلام حسین کی بیوی کی طرف سے ایک ہبہ نامہ تیار کیا گیا اور مرزا صاحب کے پاس اُن کی رضامندی کے حصول کے لئے لایا گیا جو کہ قانوناً ضروری تھا۔ مرزا صاحب دستخط کرنے پر آمادہ تھے لیکن انہیں اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اب انہیں اس (احمد بیگ) کی لڑکی کا رشتہ مانگنے کی تحریک کرنی چاہیئے اور اسے بتانا چاہیئے کہ اس تبرع اور سخاوت کا اظہار اسی شرط کے تابع ہے اور یہ شادی برکت کا سبب اور مغفرت کی وجہ بنے گی اور اگر وہ اس شادی پر رضامند نہ ہوا تو لڑکی غم و جنون کا شکار ہو جائے گی اور جس شخص کے ساتھ اس کی شادی ہو گی وہ شادی کے اڑھائی سال کے اندر مر جائے گا۔ اور اس کا والد اس سے

تین سال کے اندر مر جائے گا۔ (تبلیغ رسالت حصہ اوّل صفحہ ۱۱۶)۔

مندرجہ بالا پمفلٹ کے ضمیمہ مؤرخہ ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے رشتہ دار اُن کو کذاب اور سوداگر (جس نے دولت ہتھیانے کے لئے اللہ سے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کیا) خیال کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ یہ لوگ نشانیاں دکھانے پر بھی مطمئن نہ ہوئے۔ انہیں اس رشتہ کی ضرورت ہی نہ تھی، شادی کی درخواست صرف بطور نشانی تھی تاکہ جو لوگ انہیں ماننے سے انکاری ہیں۔ انہیں خدا کی طرف سے قدرت کے عجائب دکھا دیئے جائیں اور ان کی جانب سے (شادی کی تجویز) کی قبولیت کی صورت میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا اور آنے والی آفتیں اور مصائب ٹل جاتے لیکن اگر وہ انہیں مسترد کر دیں تو اُن کی تنبیہہ کے لئے خوفناک اور خطرناک نشانیوں کا ظہور ہو۔ (ایضاً صفحات ۱۱۹-۱۲۰)

مرزا صاحب نے ان دھمکیوں پر ہی اکتفا نہیں کیا، انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور خود مرزا احمد بیگ کو خطوط لکھے۔ یہ التجاؤں کے خطوط تھے۔ مرزا احمد بیگ کے نام ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء کے خط میں لکھا کہ شادی کے وعدے کی صورت میں وہ ہبہ نامے پر دستخط کرنے پر آمادہ ہوں گے اور اُن کی اپنی جائداد خدا اور احمد بیگ کی ملک ہو گی۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اُن کی کوششوں سے، اس کا لڑکا محکمہ پولیس میں ملازم ہو جائے گا اور اس کا نکاح اُن کے کسی متمول پیروکار کی لڑکی سے کر دیا جائے گا۔ (نوشتہ غائب از ایم۔ ایس خالد صفحہ ۱۰۰۔ دیکھئے قادیانی مذہب از الیاس برنی طبع پنجم صفحات ۵،۳۰۶-۳۰۷) انہوں نے ۱۷ر جولائی ۱۸۹۲ء کو مرزا احمد بیگ کو ایک اور خط تحریر کیا جس میں کہا کہ اُن کی شادی کی پیشگوئی بہت مشہور ہے اور اُس سے اس پیشگوئی کی تکمیل میں مدد دینے کی درخواست

کی۔ (کلمات فضل رحمانی از قاضی فضل احمد صفحہ ۱۲۳؛ قادیانی مذہب صفحات ۳۷۰ تا ۳۷۹)۔

مرزا صاحب کے بیٹے فضل احمد کی شادی مرزا شیر علی کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی اور مرزا شیر علی کی زوجہ مرزا احمد بیگ کی بہن تھی۔ مرزا صاحب نے مرزا شیر علی اور اس کی بیگم کو بھی خطوط لکھے اور اُن سے محمدی بیگم کے نکاح کے حصول میں مدد دینے کے لئے کہا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر اس کی شادی کسی اور شخص کے ساتھ کر دی گئی تو وہ اپنے بیٹے فضل احمد سے کہیں گے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ مرزا شیر علی نے مرزا صاحب کو جواباً لکھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو مرزا احمد بیگ کی جگہ تصور کریں اور مؤخر الذکر اُن سے اُن کی لڑکی کے ساتھ شادی کرانے کی درخواست کرے اور وہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا ہو اور مسیلمہ کذاب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ایک جھوٹا مدعیٔ نبوت) پر سبقت لے گیا ہو، تو وہ رشتہ دیتے؟

مرزا صاحب کی اس دھمکی کے جواب میں کہ اپنی بیوی (جو مرزا احمد بیگ کی ہمشیرہ تھیں) کے ذریعے مرزا احمد بیگ پر اثر انداز ہونے سے انکار کی صورت میں اُن کا لڑکا اُن کی لڑکی کو طلاق دے دے گا، مرزا شیر علی نے دریافت کیا کہ اس کی بیوی کا کیا حق ہے کہ اپنی بیٹی کے لئے بھائی کی لڑکی کو ایک دائم المریض آدمی کو جو مراق سے خدائی تک پہنچ چکا ہو، دینے کے لئے کہے (قادیانی مذہب صفحات ۳۸۱۔۳۸۲)۔

بالآخر مرزا صاحب کے دباؤ کے تحت، اُن کے بیٹے فضل احمد نے اپنی بیوی مرزا شیر علی بیگ کی لڑکی کو با دلِ ناخواستہ طلاق دے دی۔ مرزا صاحب کی پہلی بیوی اور اس کے بیٹے سلطان احمد نے محمدی بیگم کے خاندان کا ساتھ دیا۔ مرزا صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اپنے بیٹے سلطان احمد کو اپنی وراثت سے

محروم کر دیا (تبلیغ رسالت جلد ۲، صفحات ۹ تا ۱۱)۔

محمدی بیگم کی شادی مرزا سلطان محمد کے ساتھ ہو گئی جو پیشگوئی کے مطابق فوت نہیں ہوئے اور ایک مدت دراز تک زندہ رہے۔ مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کی شادی سے چھ ماہ کے اندر فوت ہو گیا اور اسے پیشگوئی کی تکمیل قرار دیا گیا۔ لیکن سلطان محمد کی شادی اور موت کا کیا ہوا؟ وہ مرزا صاحب کے مرنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ جنگ عظیم اوّل میں شریک ہو کر زخمی ہوئے لیکن زندہ رہے (قادیانیت از سید ابوالحسن ندوی صفحہ ۱۶۵)۔

سیرت المھدی میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے رشتہ داروں کو خطوط لکھے اور اس شادی کے لئے بڑی جد وجہد کی۔ (جلد اوّل صفحہ ۱۸۶) تاہم مصنف نے یہ واضح کرنے کی سعی کی ہے کہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں جس نے اپنی پیشگوئیوں کی تکمیل کی کوشش نہ کی ہو۔ (ایضاً صفحہ ۱۷۵) یقیناً بہت ہی بڑا دعویٰ ہے۔ لیکن اسے درست فرض کرتے ہوئے بھی کیا یہ جائز تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرتے اور اپنے بیٹے کے خسر کو دھمکیاں دیتے کہ ان کی مدد کرنے سے انکار کی صورت میں وہ اپنے بیٹے کو ہدایت کریں گے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ جس دین کو مرزا صاحب بظاہر مانتے تھے اس میں ایسا کوئی تصوّر موجود نہیں ہے کہ نافرمان لڑکے کو اپنی زندگی میں ہی وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے اس کا تحریری اعلان کیا۔ انہوں نے اِسی بنا پر اپنی پہلی بیوی کو بھی طلاق دے دی کہ وہ اس شادی کے لئے اپنے رشتہ داروں پر زور دینے کے لئے آمادہ نہ ہوئی۔ اسلام میں طلاق مکروہ ترین چیز ہے۔ لیکن مرزا صاحب اپنی بیوی، اپنے بیٹے اور بہو سے بھی انتقام لینے میں تیز نکلے۔

سیرت المہدی کا مصنف لکھتا ہے کہ نہ صرف مرزا احمد بیگ کا انتقال ہو گیا بلکہ خاندان کئی بدنصیبیوں سے دو چار ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا احمد بیگ کی موت سے پیشگوئی پوری ہو گئی۔ لیکن پیشگوئی یہ تھی کہ محمدی بیگم کا خاوند اڑھائی سال کے اندر اور اس کا والد تین سال کے اندر مر جائیں گے۔ پیشگوئی کی معقول تعبیر یہ ہوتی کہ والد کی موت محمدی بیگم کے خاوند کی موت کے بعد لیکن شادی کے تین سال کے اندر واقع ہوتی۔ لیکن وہ شادی کے بعد جلدی مر گیا اور جس شخص کو پہلا شکار ہونا تھا وہ زندہ رہا۔

منگنی یا شادی میں ناکامی یا کامیابی عام حالات میں کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتی لیکن مرزا صاحب کے خدائی الہام پر اصرار نے اس واقعہ کو اہمیت دے دی۔ انجام آتھم (مطبوعہ در سلسلۂ تصنیفات جلد ۸ صفحہ ۳۰، ۳۱، حاشیہ) میں لکھا:۔

"کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو۔
اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہو گی اور میری موت آ جائے گی"۔

اور یہ پوری نہ ہوئی۔ یہ ۱۸۹۶ء کی بات ہے۔ شادی کے بارے میں اس سے قبل بھی وہ تقریباً یہی بات ایک رسالے مطبوعہ ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء میں کہہ چکے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا:۔

"نفس پیشگوئی یعنی اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔"

لیکن جس وقت یہ الفاظ لکھے جا رہے تھے سلطان محمد کی موت کے لئے مقرر کردہ مدت اس سے قبل گذر چکی تھی۔ لیکن مرزا صاحب مُصر رہے کہ جو مقرر ہو چکا ہے، وہ ضرور واقع ہو گا خواہ اس میں کچھ تاخیر ہو جائے۔

۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے پیشگوئی کی :۔

"سلطنتِ برطانیہ ہشت سال" اور "سلطنتِ برطانیہ ہفت سال"

یہ پیشگوئی بہت سی تعبیرات کا موضوع سخن بنی رہی، کیونکہ برطانوی حکمرانی جنگِ عظیم دوم کے بعد تک قائم رہی۔ (دیکھئے سیرت المہدی جلد ۲ صفحہ ۹ نمبر ۳۱۴)

براہینِ احمدیہ جلد ۵ (صفحات ۴۷-۴۸) میں مرزا صاحب نے قرآن کریم کی آیت ۳/ ۵۵ :۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ

(جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن سے تجھے پاک کرنے والا ہوں اور جن لوگوں نے تیری پیروی کی ان کو قیامت تک کے لئے ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔)

درج کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا

اور تیری بریّت ظاہر کروں گا اور جو تیرے پیرو ہیں میں قیامت تک اُن کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔ اس جگہ اس وحی الٰہی میں عیسیٰ سے مراد میں ہوں اور تابعین یعنی پیرؤوں سے مراد میری جماعت ہے۔ قرآن شریف میں یہ پیشگوئی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی نسبت ہے اور مغلوب قوم سے مراد یہودی ہیں جو دن بدن کم ہوتے گئے۔ پس اس آیت کو دوبارہ میرے لئے اور میری جماعت کے لئے نازل کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقدر یوں ہے کہ وہ لوگ جو اس جماعت سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہوتے جائیں گے اور تمام فرقے مسلمانوں کے جو اس سلسلہ سے باہر ہیں وہ دن بدن کم ہو کر اس سلسلہ میں داخل ہوتے جائیں گے یا نابود ہوتے جائیں گے۔"

اس پیشگوئی کا بطلان اس قدر عیاں اور ظاہر ہے کہ اس بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۹۸۱ء کی آخری مردم شماری کے مطابق پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد ۱۰۳۰۰۰ ہے اور صرف پنجاب میں جہاں مرزا صاحب کے کچھ ماننے والے موجود تھے، مسلمانوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ قادیانیوں کی تعداد میں ہمیشہ مبالغہ کیا گیا ہے، یہ امر مذہب اور اخلاقیات کی انسائیکلو پیڈیا جلد ۱۰ صفحہ ۵۳۰ (ق) سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"یہ تحریک ۱۸۸۹ء میں اپنی ابتداء سے لگاتار بڑھتی رہی۔ ۱۸۹۶ء میں اپنے اراکین کی تعداد ۳۱۳ ہونے کا دعوٰی تھا۔ ۱۹۰۱ء کی سرکاری مردم شماری میں صوبہائے متحدہ میں ۱۱۱۳ مرد اور بمبئی پریذیڈنسی میں ۱۱۰۸۷ اصناف

طور پر غلط)۔ ۱۹۰۴ء میں مرزا صاحب نے ۱۰۰۰۰۰ سے زیادہ مریدوں کا دعویٰ کیا' اور اپنی موت سے قبل پیروکاروں کی کل تعداد کا تخمینہ ۵۰۰۰۰۰ لگایا۔ اس واضح مبالغے کا موازنہ ۱۹۱۱ء میں پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ کے نتائج سے کیا جاسکتا ہے' یعنی ۱۸۶۹۵ احمدی۔ ایک آزاد تخمینے کے مطابق آج کے ہندوستان میں تحریک کی کل تعداد غالباً ۷۰۰۰۰ ہوگی۔ دوسرے ممالک میں بھی کچھ بکھرے ہوئے پیروکار موجود ہیں"۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد ۵۵ ہزار ہے۔ جس کا اندازہ مرزا محمود احمد نے پچھتر ہزار لگایا۔ (خطبہ میاں محمود احمد الفضل' قادیان جلد ۲۱ نمبر ۱۵۲ مؤرخہ ۱۹۳۴/۶/۲۱ء قادیانی مذہب صفحہ ۱۵م)۔

ایک رسالہ مؤرخہ ۷ ستمبر ۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب نے لکھا کہ انہوں نے کسی کتاب میں اپنے پیروؤں کی تعداد تین سو دی تھی۔ یہ تعداد دس ہزار ہوچکی ہے اور تین سال کے اندر ایک لاکھ سے بڑھ جائے گی (تبلیغ رسالت جلد ۸ صفحہ ۵۴)۔ ایک رسالے مؤرخہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء میں انہوں نے اس تعداد کا تخمینہ تیس ہزار لگایا (ایضاً جلد ۹ صفحہ ۹۰)

مرزا صاحب نے حلفاً کہا کہ " میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں کہ سچے دل سے میرے پر ایمان لائے ہیں"۔ (سیرت المہدی جلد ا صفحہ ۱۴۶)۔

تحفۃ الندوہ (۱۹۰۲ء) میں بھی انہوں نے یہی تعداد مقرر کی اور کہا کہ ان میں سے دس ہزار طاعون کے زمانے میں شامل ہوئے تھے۔

حقیقۃ الوحی کے تتمہ (مطبوعہ ۱۹۰۷ء) صفحہ ۱۷۱ میں مرزا صاحب نے اپنے پیروؤں

کی تعداد چار لاکھ بتائی۔

مرزا صاحب اور اُن کے جانشینوں کے علاوہ اُن کے پیروکاروں، جن میں مبارک احمد پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان شامل ہیں، نے بھی تعداد کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

مؤخر الذکر نے احمدیوں کی تعداد پچاس لاکھ بیان کی ہے۔ عبد الرحیم درد نے مسٹر فلبی کے سامنے بیان کیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کی غالب اکثریت احمدی مسلمانوں کی ہے۔ یہ بیان اس وقت دیا گیا تھا جب پنجاب کے مسلمانوں کی تعداد صرف ڈیڑھ کروڑ تھی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس کے دعوے کے مطابق پنجاب میں قادیانیوں کی تعداد پچھتر لاکھ تھی۔ حال ہی میں اکانومسٹ لندن نے یہ تعداد ایک کروڑ دی ہے۔ اس رسالے نے یقیناً قادیانیوں سے غذا پائی ہو گی۔ پنجاب کے مسلمانوں کی تعداد ساڑھے چار کروڑ سے زیادہ ہے۔ اور پورے ملک میں قادیانیوں کی تعداد ۱۰۴۰۰۰ ہے۔ یہ تھی مرزا صاحب کی پیشگوئی!

یونٹی کلکتہ نے ایک مضمون میں، جو مرزا صاحب کے انتقال پر لکھا گیا تھا، اُن کے متبعین کی تعداد بیس ہزار بتائی۔ (سیرت المہدی جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ نمبر ۲۹۰)۔

جب مرزا صاحب کے تھوڑے بہت پیروکار بن گئے تو انہوں نے ایک رسالہ مؤرخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں انہیں بعیت کرنے کی دعوت دی۔ (حیات طیبہ صفحات ۹۷۔ ۹۸)۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مضمون قادیان (جلد ۱۰) کے مطابق ایسے پیروکاروں کی تعداد ۱۸۹۶ء میں ۳۱۳ تھی۔

اپنے حامیوں کی کافی بڑی تعداد جمع کر لینے کے بعد مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں

اپنے مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کے اعلان کا دوسرا قدم اٹھایا' اور امت مسلمہ کا یہ خدشہ کہ وہ دعویٔ نبوت کرنے کی جانب رواں دواں ہیں' جزوی طور پر درست ثابت ہوا۔
درحقیقت مرزا صاحب پہلے ہی براہین احمدیہ میں اپنے مسیح موعود ہونے کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ کیونکہ وہاں وہ اپنے مثیلِ مسیح (مسیح جیسا) ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔
مرزا صاحب نے فتح اسلام (۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی تھی) میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ

"میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا کہ دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔ میں اس طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مردِ خدا کے بھیجا گیا تھا جسکی روح بہت تکلیفوں کے بعد آسمانوں کی طرف اٹھائی گئی۔ سو جب دوسرا کلیم اللہ جو حقیقت میں سب سے پہلا اور سید الانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیا جس کے حق میں ہے (آیت قرآنی نمبر ۲/۷۳/ ۱۵) اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ سو اس کو بھی جو اپنی کاروائیوں میں کلیم اوّل (موسیٰ) کا مثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگتر تھا۔ ایک مثیل المسیح کا وعدہ دیا گیا اور وہ مثیل المسیح قوت اور طبع اور خاصیت مسیح ابن مریم پاکر اسی زمانہ کی مانند اور اسی مدت کے قریب قریب جو کلیم اوّل کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اُترا (دیکھئے فتح اسلام مطبوعہ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۸)

"کلیم اوّل" کے بعد کی زبان مبہم ہے۔ لیکن میں نے مرزا صاحب کے نظریے

کا وہ منشا بیان کر دیا ہے جسے وہ خود دیگر کتب اور مقامات میں واضح کر چکے ہیں۔

مرزا صاحب نے لکھا کہ "جس مسیح نے آنا تھا وہ آ چکا ہے (صفحہ ۹)۔ مرزا صاحب کا یہ نظریہ کہ وہ مسیح کے نام سے مبعوث ہوئے ہیں، نیا نہیں ہے۔ براہینِ احمدیہ میں وہ بیان کر چکے ہیں کہ ان کی فطرت میں مسیح سے ایک مخصوص مشابہت موجود ہے۔ اور اس وجہ سے وہ مسیح کے نام سے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس نظریئے میں بعد میں یہ ترقی ہوئی کہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے کشمیر میں اپنی طبعی موت سے وفات پائی تھی اور چونکہ اُن کی رُوح جنت میں جا چکی ہے اس لئے وہ واپس اس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔

وہ توضیح المرام (مطبوعہ ۱۸۹۱ء دیکھئے روحانی خزائن حصّہ سوم صفحہ ۶۰) میں مزید لکھتے ہیں:۔

"میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوّت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمّت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نبوّت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامہ نہیں ہے..... بلکہ وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کی اقتدار سے ملتی ہے۔"

براہین احمدیہ میں وہ محدّث کو نبی کے برابر قرار دے چکے ہیں لیکن اب اُسے جزوی نبی کہہ رہے ہیں۔ براہین احمدیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں "اور انبیاء کے مرتبہ سے

اس کا مرتبہ قریب واقع ہوتا ہے (۴۶) ۔انہوں نے عیسیٰؑ کی والدہ مریمؑ، موسیٰؑ کی والدہ اور عیسیٰؑ اور خضرؑ کے حواریوں کی مثالیں دی ہیں، جن میں سے کوئی بھی پیغمبر نہ تھا۔ درحقیقت وہ ۱۸۹۰ء تک قطعی ختم نبوت کے مؤقف پر قائم رہے لیکن بعد میں اوپر بیان کیا ہوا مؤقف اختیار کر لیا۔

انہوں نے شریعت کے بغیر نبیوں کی آمد کا دروازہ کھلا رکھا اور اپنا یہ عقیدہ ان الفاظ میں بیان کیا:۔

"اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۸)

۱۸۹۱ء تک تو برصغیر ہندوستان کے مسلمان ، مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کے جھوٹا ثابت ہونے پر اُن کا صرف مذاق اڑاتے۔ محمدی بیگم کے واقعہ میں آ چکا ہے کہ خود اُن کے اپنے خاندان کے افراد انہیں دجّال، مسیلمہ اور اسی نوع کے دیگر القاب سے یاد کرتے۔ غالباً وہ انہیں بہتر جانتے تھے۔ لیکن مسیح اور مہدی ہونے کے دعاوی نے مسلمانوں کو پریشان کر دیا اور تنقید اور غم وغصہ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ مرزا صاحب نے بظاہر مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اپنے قدموں پر کچھ واپسی دکھائی۔

لیکن اس موضوع پر گفتگو سے پہلے مناسب ہو گا کہ نبی اور رسول یا مُرسَل کے الفاظ کی وضاحت کر دی جائے۔

ہر رسول نبی ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر نبی بھی

رسول ہو۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو اور فرشتے اس پر وحی لاتے ہوں جبکہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئی شریعت لائے یا سابقہ شریعت کے کچھ احکام منسوخ کرے۔ رسول اور مُرسَل میں عموماً کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ صرف کرامیہ نے یہ فرق کیا ہے کہ رسول منجانب اللہ فرستادہ شخص ہوتا ہے اور مرسل کسی بھی بھیجنے والے کا بھیجا ہوا شخص ہوتا ہے۔ (اصول الدین از عبدالقاہر بغدادی صفحہ ۱۵۴) بعد کے دور میں لفظ رسول اور نبی کے مابین فرق ختم ہوگیا۔ تاہم اگر کسی نے فرق کیا ہے تو وہ وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے (اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۳ لفظ "رسول")۔ ابو حفص عمر نسفی کی کتاب العقائد النسفیتہ کے مطابق اِن دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ تاہم اس کتاب میں لفظ رسول ایسے شخص کے لئے استعمال ہوا ہے جو صاحبِ شریعت ہو۔ (ایضاً)

مرزا صاحب نے یہ تینوں الفاظ نبی، رسول اور مرسل ازالہ اوہام صفحہ ۵۳۴ میں استعمال کئے ہیں۔ وہ عیسیٰ کی بحیثیت مسیح دوبارہ آمد کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اور کیونکر ممکن تھا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی اور نبی اسی مفہوم تام اور کامل کے ساتھ جو نبوت تامہ کی شرائط میں سے ہے آ سکتا۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوّت تامہ کے لوازم جو وحی اور نزولِ جبریل ہے اُس کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام وعقائدِ دین جبریل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوّت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔" (مطلب یہ ہوا کہ اُن کے مطابق

مہر نہیں ٹوٹنی چاہیئے)۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں نبی اور رسول کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے گئے ہیں اور اُن میں واضح امتیاز نہیں کیا گیا۔ صفحہ ۷۶۱ پر کہا گیا ہے:۔

"چہارم قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا۔ خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایۂ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔"

ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۱۴ پر قرآن کریم کی آیت ۴۰/۳۳:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے)

کا ذکر کر کے اس کے آخری حصے کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:۔

"مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔"

اور مزید کہا ہے:۔

"یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم دنیا میں نہیں آ سکتا کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت

اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل
حاصل کرے"۔

اور مزید کہا۔" اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحیِ رسالت
تا بقیامت منقطع ہے۔"

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے خاتم النبیین کی ترکیب، جس میں لفظ نبی شامل ہے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قیامت تک کوئی رسول نہیں ہو گا (صفحہ ۱۴۷)۔ جبکہ اس سے قبل براہینِ احمدیہ میں اُن کا مؤقف یہ تھا کہ وحی نبوت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے لیکن اب پھر ختمِ نبوّت کی قطعیت میں، یہ کہتے ہوئے، ایک سوراخ نکالا ہے کہ وحی رسالت ختم نہیں ہوئی۔

ایک اشتہار مؤرخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء جو تبلیغ رسالت" (جلد دوم صفحہ ۲۰) میں منقول ہے، میں کہتے ہیں:۔

" میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے۔ ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رُو سے مسلّم الثبوت ہیں اور سیّدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کافر اور کاذب جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔"

یہ آخری مؤقف پھر اُس مؤقف سے قطعی مختلف ہے جس پر

سے پہلے بحث ہو چکی ہے۔

ایک دوسرے اشتہار مؤرخہ ۲۳؍اکتوبر ۱۸۹۱ء جو جامع مسجد دہلی میں منعقدہ ایک اجتماع میں تقسیم کیا گیا اور جو "تبلیغ رسالت" حصّہ دوم صفحہ ۴۴ میں نقل کیا گیا ہے، یوں بیان کرتے ہیں:

"ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہلِ سُنّت والجماعت کا مذہب .... اب مَیں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانۂ خدا (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہُوں کہ مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا قائل ہُوں اور جو شخص ختمِ نبوّۃ کا مُنکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہُوں۔"

پہلے اشتہار مؤرخہ ۲؍اکتوبر ۱۸۹۱ء میں بیان کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب کسی قسم کی نبوّت کے مدعی کو بھی دجّال، کاذب اور کافر سمجھتے ہیں۔ دُوسرے اشتہار میں انہوں نے ختمِ نبوت کا لفظ جو بلحاظ ہر نبی اور رسُول دونوں کے مفہوم کو شامل ہے، استعمال کیا ہے۔

اپنی کتاب "انجام آتھم" (مطبوعہ ۱۸۹۷ء) کے صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:

"کیا ایسا بدبخت مفتری جو خود رسالت اور نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰکِنْ

رسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اور رسُول ہُوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوّت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں، مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے، لیکن وہ مکالمات اور مخاطبات جو اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے مجھ کو ملے ہیں جن میں یہ لفظ نبوّت اور رسالت کا بکثرت آیا ہے ان کو بوجہ مامُور ہونے کے مخفی نہیں رکھ سکتا، لیکن بار بار کہتا ہوں کہ ان الہامات میں جو لفظ مرسل یا رسول یا نبی کا میری نسبت آیا ہے (لفظ رسول اور نبی میں مراد مجاز ہے) وہ اپنے حقیقی معنوں پر مستعمل نہیں ہے اور اصل حقیقت جس کی میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہُوں یہی ہے جو ہمارے .... نہ کوئی پُرانا اور نہ کوئی نیا۔"

" ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی و رسول علیٰ وجه الحقیقة والافتراء وترك القرآن واحكام الشریعة الغراء فهو کافر کذاب۔ غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوّت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اس پاک سرچشمہ سے جُدا ہوکر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہے تو وہ ملحد بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیّر و تبدّل کر دے گا پس بلاشبہہ وہ مُسیلمہ کذّاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔"

حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۴ (طبع ۱۸۹۴ء) میں انہوں نے کہا ہے :

"مالی ان ادعی النبوۃ واخرج من الاسلام والحق بالکافرین" (ترجمہ : مَیں کیوں نبوّت کا دعویٰ کرکے دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاؤں اور کافروں میں داخل ہوجاؤں)

یہ کہ ان کا دعویٰ نبوّت کا نہیں بلکہ محض ولایت اور مجددیت کا تھا۔ انہوں نے اپنے الہام اور عبدالقادر جیلانیؒ (معروف صوفیٔ اسلام) کے الہام کے مابین مشابہت بتائی۔ انہوں نے حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۳۴ پر زور دیکر کہا ہے :

الا تعلم ان الرب الرحیم المتفضل سمّی نبیّنا صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء بغیر استثناء وفسّرہ نبینا فی قولہ لا نبیّ بعدی ببیان واضح للطّالبین ولو جوزنا ظہور نبی بعد نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم لجوزنا انفتاح باب وحی النبوّۃ بعد تغلیقہا و ھذا خلف بمالا یخفی علی المسلمین وکیف

يجيئ نبي بعد رسولنا صلّى الله عليه وسلم وقد انقطع الوحي بعد وفاته وختم الله به النبيين"

آخری حصّے کا تعلق اسی نکتے سے ہے کہ کیا عیسیٰ دوبارہ آئیں گے اور وہ آخری نبی ہوں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) کی آمد پر نبوّت ختم ہوگئی ہے"

اس آخری اصول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے مُطابق نزولِ عیسیٰ کا مطلب عیسیٰ نبی کی آمد نہیں، کیونکہ اس سے ان کا آخری نبی ہونا لازم آتا ہے ــــ یہی بیان "ایام صلح" مطبوعہ ۱۸۹۹ء (صفحہ ۱۴۶) میں بھی موجُود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"قرآن شریف میں مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں، لیکن ختمِ نبوّت کا بہ کمال تصریح ذکر ہے اور پُرانے یا نئے نبی کی تفریق یہ شرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں یہ تفریق موجُود ہے اور حدیث لانبی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔ پس یہ کس قدر جرارت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کرکے نصُوصِ صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیاء کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی منقطع ہوچکی تھی پھر سلسلہ وحی نبوّت کا جاری کر دیا جائے کیونکہ جس میں شانِ نبوّت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوّت کی وحی ہوگی"

ایک اشتہار مؤرخہ ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷ء) جو تبلیغ رسالت حصّہ ششم صفحہ ۲ پر چھپا ہوا ہے، میں لکھتے ہیں :

"ہم بھی مدعی نبوّت پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوّت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوّت نہیں بلکہ وحیٔ ولایت جو زیر سایہ نبوتِ محمّدیہ اور باتباع آنجناب صلی اللہ علیہ وسلّم اولیاء کو ملتی ہے اس کے ہم قائل ہیں۔"

خاتم (مُہر) کا لفظ، جسے نبوّت کا دعویٰ کرنے کے بعد مختلف معنی دینے کی کوشش کی گئی، بھی ازالہ اوہام صفحہ ۵۷۷ میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس کا تذکرہ اُوپر ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نبوّت کی نفی کی ہے۔

"جنگِ مقدس" (مطبُوعہ ۱۸۹۳ء) صفحہ ۶۷ میں مرزا صاحب نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اور معجزے کی تشریح اِن الفاظ میں کی ہے :

"میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں، یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعوےٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جاتے۔ میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسُول کا متبع ہُوں اور ان نشانیوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا، بلکہ ہمارے مذہب کی رُو سے ان نشانیوں کا نام کرامات ہے جو اللہ کے رسول کی پیروی سے دیئے جاتے ہیں۔"

مرزا صاحب نبوت کا دعویٰ کرنے سے کچھ پہلے اپنے لیے نبی کا لفظ کثرت سے

استعمال کرنے لگے اور پھر مسلمانوں کے اشتعال، مخالفت اور پریشانی کو دُور کرنے کی غرض سے اُس کی اپنے انداز سے وضاحت کرنے میں عجلت بھی دکھاتے۔

"سراجِ منیر" صفحہ ۳۰۲ پر وہ لکھتے ہیں :

"یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا، اس میں اس بندہ کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ وَلِكُلٍّ اَنْ يَّصْطَلِحَ (ہر ایک کو اصطلاح بنانے کا حق ہے) سو خدا کی یہ اصطلاح ہے جو اس نے ایسے لفظ استعمال کیے۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رُو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پُرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے مگر مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا رسُول کے لفظ سے یاد کرے۔"

ایک مکتوب مطبوعہ لیکچر قادیان نمبر ۲۹ حصّہ سوم مؤرخہ ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء میں مرزا صاحب نے لکھا ہے :

"حال یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے، لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت و رسالت ہے .... سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارے کے رنگ میں ہیں اسلام میں فتنہ پڑتا ہے

اور اِس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے۔ اس لیے اپنی جماعت کی معمولی
بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں"
یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب نے توضیح المرام میں کہا ہے کہ
جُزوی نبوّت اور وحی کا باب بند نہیں اور یہ کہ محدّث (جو اللہ سے مکالمہ اور مخاطبہ کا
شرف پائے) جزوی نبی ہوتا ہے۔

وہ ازالہ اوہام (صفحہ ۵۴) میں ایسے لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو رسولِ پاک
صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی بھی ایسی وحی کو ممکن سمجھتے ہیں جو قرآن کے ایک حکم کو تبدیل
یا منسُوخ کرے۔ یوں نبوّت بلا شریعت کا باب کھُلا رکھا، لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۵۳۴ پر
انہوں نے وحی نبوّت کو ناممکن قرار دیا اور صفحہ ۷۶۱ پر وحیِ رسالت کے باب کو مسدود
قرار دیا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرزا صاحب مسلمانوں کے عقیدے کے
خلاف کچھ کہنے میں ایک قدم آگے بڑھتے تو ان کی مخالفت کا احساس کرتے ہوئے
دو قدم پیچھے لَوٹتے تاکہ انہیں یہ باور کرا سکیں کہ ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو وہ مانتے
ہیں۔ اپنے آیندہ کے دعووں کو ترقی دینے اور بڑھانے کی غرض سے کوئی متضاد سی بات
کہ دی جاتی اور پھر مسلمانوں کے عقیدے کو بار بار دُہرایا جاتا تاکہ وہ بچاؤ کا کام دے سکے۔
پہلے محدّثیت نبوّت سے قریب تر بنی، پھر یہ جزوی نبوّت ٹھہری۔ اور پھر مہرِ نبوّت
سالم قرار دی گئی۔ پہلے نبوت کا دروازہ بند ہوا اور پھر اسی نظریے کو تدریجاً ترقی دی
گئی تاآنکہ ان کے پیروکار نئے دعوے کے لیے تیار ہو گئے۔

اب محدّثیت کے نظریئے کے ارتقا۔ اور وسعت کا جائزہ مرزا صاحب کے
الفاظ میں ہی لیا جا سکتا ہے۔ مولوی عبدالحکیم اور مرزا صاحب کے مابین ایک معاہدے

مؤرخہ ۳ فروری ۱۸۹۲ء میں جو تبلیغ رسالت حصّہ دوم صفحہ ۹۵ میں چھپا ہے، مرزا صاحب تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے رسائل فتحِ اسلام، توضیح المرام اور ازالۂ اوہام میں یہ درج ہو چکا ہے کہ محدّث ایک مفہوم میں نبی ہوتا ہے اور محدّثیت جزوی نبوت یا نبوّتِ ناقصہ ہے۔

"یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کے رُو سے بیان کیے گئے ہیں ورنہ حاشا و کلّا مجھے نبوّتِ حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ مَیں کتاب ازالۂ اوہام صفحہ ۱۳۷ء میں لکھ چکا ہُوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہُوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصوّر فرما کر بجائے اس کے محدّث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں .... کہ بجائے لفظِ نبی کے محدّث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظِ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں"

حمامۃ البشریٰ (صفحہ ۹۴) میں دعویٔ نبوت کی تردید کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

"میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو مَیں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدّث ہُوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدّثین سے۔" نیز دیکھیے آئینۂ کمالاتِ اسلام (مطبوعہ ۱۸۹۳ء) صفحہ ۳۱۶، سلسلۂ تصنیفات حصّہ پنجم صفحہ ۸۲، ۲۰۔

حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۹۹ پر وہ کہتے ہیں :

"ہاں میں نے کہا ہے کہ نبوت کے تمام اجزاء تحدیث میں پائے جاتے ہیں، لیکن بالقوہ نہ کہ بالفعل۔ پس محدّث بالقوہ نبی ہوتا ہے اور اگر بابِ نبوّت مسدود نہ ہوتا تو وہ بالفعل نبی ہوتا، اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ نبی محدّث ہے بطریقِ کمال اور بالفعل، اور محدّث نبی ہے بالقوہ"

اور نبوّت کا باب کھولنے کے بعد انہوں نے خود نبوتِ کاملہ حاصل کر لی۔

اسی طرح مسیح ہونے کا دعویٰ بھی ارتقائی مراحل سے گذرا۔ مرزا صاحب نے براہینِ احمدیہ میں لکھا کہ وہ مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہیں اور دونوں کی فطرت میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ چونکہ مرزا صاحب کو مسیح سے مشابہتِ تامہ حاصل ہے۔ لہذا خدا نے انہیں مسیح کی پیش گوئی میں بھی شریک رکھا۔ کہا جاتا تھا کہ مسیح دنیا میں آئے گا اور چار دانگ عالم میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔ یہ جسمانی ظہور ہوگا، لیکن اس پیش گوئی کا روحانی مصداق مرزا صاحب ہیں (صفحہ ۴۹۹) اس نظریے کے مطابق عیسیٰ بن مریم ضرور آئے گا لیکن روحانی پہلو سے مرزا صاحب اس کے ثانی یا مثیل ہیں۔ (دیکھیے فتح اسلام صفحہ ۱۱)

فتح اسلام صفحہ ۱۱ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے ہیں جو مسیح کی آمد کے زمانے سے مشابہ ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کا مثیل اس لیے بھیجا کہ وہ لوگوں میں علم دین کی اشاعت کرے اور پھر غیر مبہم الفاظ میں ایک مختلف بات کہ دی کہ :

"مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کر لو" (صفحہ ۱۵)

اس دعوے نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑی سخت مخالفت ہوئی اور انہیں کافر

قرار دیا گیا (دیکھئے آسمانی فیصلہ)۔ مرزا صاحب اپنی عادت کے مطابق اپنے قدموں پر فوراً واپس لوٹے اور اپنے دعوے کو صرف مثیل ہونے تک محدود کر دیا (توضیح المرام صفحات ۱۶ تا ۲۱)۔

انہوں نے کہا کہ "مجھے مسیح ابنِ مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت مسیح ابن مریم کی روحانی حالت سے اشد درجہ کی مناسبت رکھتی ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۲۱)

اپنے اس دعوے کے برعکس کہ وہ وُہی مسیح ہیں جسے آنا تھا، انہوں نے کہا کہ "ممکن ہے کہ مستقبل میں کوئی مسیح نہ آئے۔ ممکن ہے دس ہزار اور مسیح آجائیں اور ان میں سے ایک دمشق میں نازل ہوجائے (ازالہ اوہام صفحہ ۲۹۶) یا اور دس ہزار بھی مثیلِ مسیح آجائیں۔" لیکن مزید کہا "ہاں اس زمانے کے لیے مَیں مثیلِ مسیح ہُوں اور دوسرے کی انتظار بے سُود ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۹۹)

انہوں نے بعد میں بے نقاب ہو کر کہہ دیا کہ "میرے بعد قیامت تک نہ کوئی مہدی آئے گا اور نہ کوئی مسیح .... جسے آنا تھا وہ میں ہی ہُوں۔"

(رسالہ مورخہ ۵ اپریل ۱۹۰۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۸۷)

یہ وہی حکمتِ عملی جو مرزا صاحب کی کتابوں میں بکثرت ملتی ہے۔ وہ ایک وقت میں کئی متضاد باتیں کہتے ہیں، تاکہ کسی خاص مرحلے میں جو موزوں ہو اسی کی پناہ لے سکیں۔

اسی طرح انہوں نے ازالہ اوہام (صفحہ ۶۳۴) میں ایک الہام لکھا: "جعلناك المسيح ابن مريم" (ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) اور اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ وہی مسیح موعود ہیں "اربعین" میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ (دیکھئے نمبر ۳ صفحہ ۲۴)

نشانِ آسمانی (صفحہ ۳۵) جو ۱۸۹۲ء میں طبع ہوئی میں مرزا صاحب نے اپنے ایک پیروکار کی مزعومہ شہادت شائع کی ہے کہ اسے ایک گلاب شاہ نامی شخص نے اطلاع دی تھی کہ وہی (مرزا صاحب) وہ مسیحِ موعود ہیں جس کی آمد کا وعدہ کیا گیا تھا اور جو کتابوں میں عیسیٰ کے نام سے مذکور ہے اور (صفحہ ۳۶ پر) جس عیسیٰ نے آنا تھا اس کا نام غلام احمد ہے۔

مرزا صاحب نے بہت پہلے ۱۸۸۴ء میں ہی براہینِ احمدیہ میں کہہ دیا تھا کہ اُن میں مریم کی طرح عیسیٰ کا نفخ ہوا ہے اور وہ دس ماہ تک حمل سے رہے اور پھر انہیں مریم سے عیسیٰ بنایا گیا اور وہ ابن مریم بن گئے۔ ممکن ہے کہ اس وقت وہ عیسیٰ کی وفات کے بارے میں اپنے نظریے کے اظہار کو قبل از وقت خیال کرتے ہوں یا ممکن ہے کہ اس وقت تک یہ نظریہ تیار نہ ہوا ہو۔ تاہم اُن کے مسیح موعود عیسیٰ بننے کا ارادہ بالکل واضح ہے اور بعد میں اسے مثلاً "اربعین"، "ایک غلطی کا ازالہ"، اور "کشتیٔ نوح" میں صاف حقیقت کی شکل میں پیش کر دیا گیا۔ اربعین (مطبوعہ ۱۹۰۰ء) میں مرزا صاحب نے لکھا (نمبر ۱ صفحہ ۴) کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مطلع کیا کہ وہ اس کی جانب سے مسیح موعود اور مہدی ہیں۔ یہ نکتہ کتاب کے متعدد مقامات پر بتکرار پیش کیا گیا ہے۔ "ایک غلطی کا ازالہ" کے صفحہ ۳ پر صاف صاف کہا ہے کہ وہ مسیح موعود ہیں۔ یہ امر ناقابلِ فہم ہے کہ وہ دس ہزار مسیح یا اسی تعداد کے مثیلوں میں سے ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ مثیل کا نکتہ صرف رائے عامہ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا۔ کشتیٔ نوح کے صفحہ ۴۷ پر انہوں نے لکھا کہ انہیں (عیسیٰ اور مریم کے بارے میں) اس وحی کی اہمیت کا احساس نہ ہوا، لیکن وقت آیا اور ان پر اسرار کا انکشاف ہوا اور دیکھا کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ یہ وہی دعویٰ تھا جسے براہینِ احمدیہ میں کئی بار بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا گیا تھا۔

مزید کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ انہیں ایک نشان بنائے گا اور الہامی تحریروں میں مریم اور عیسیٰ کے نام انہی کے لیے استعمال ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ وہی عیسیٰ بن مریم ہیں جسے آنا تھا۔ وہی حق ہیں اور وہی موعود ہیں (ایضاً صفحہ ۴۸)

مرزا صاحب نے اپنے پیروکاروں کو مزید پختہ کر لینے کے بعد ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے وہ براہین احمدیہ حصہ سوم اور چہارم کی اشاعت سے ہی مسلم عوام کو اپنے دعویٰ نبوت کے لیے تیار کر رہے تھے اور پنجاب اور اس وقت کے برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں نے بہت پہلے اس دعویٰ کا اندازہ کر لیا تھا۔ خود مرزا صاحب کے خاندان کے افراد انہیں مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کے دعووں سے کئی سال پہلے ہی، جھوٹا مدعی قرار دینے لگے تھے۔ نبوت کا دعویٰ سب سے پہلے ایک رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" (جو بیسویں صدی کے آغاز پر ۱۹۰۱ء میں طبع ہوا) میں کیا گیا۔

حقیقی دعویٰ کرنے سے قبل جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے مرزا صاحب نے نبوّت کے بارے میں اپنے مزعومہ الہامات کا تذکرہ کرنے کی سعی کی اور پھر انہیں اس ادّعا کے نقاب میں چھپانے کی کوشش کی کہ رسول اور نبی کے الفاظ ان کے لیے استعارے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں نہ کہ حقیقی معنوں میں۔ اربعین (مطبوعہ ۱۹۰۰ء نمبر ۲ صفحہ ۱۸) میں انہوں نے اسی کا حوالہ دیا جو وہ پہلے ہی براہین احمدیہ میں کہہ چکے تھے کہ "یہ خدا کا رسول ہے نبیوں کے حُلّوں میں" حاشیے میں یہ کہہ دیا کہ یہ لفظ محض استعارۃً استعمال ہوا ہے۔ اربعین کے صفحہ نمبر ۷ (نمبر ۳) پر لکھا ہے:

> "خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دینِ حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔ ان کو کہہ دے کہ اگر میں نے افترا کیا ہے

تو میرے پر اس کا جُرم ہے یعنی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔"

جھوٹے کی ہلاکت کے اس نظریے کی بنیاد انہوں نے قرآن کریم کی آیت ۴۰/۲۸ کو بنایا (نمبر ۳ صفحہ ۵) وَاِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ (اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے۔"

مرزا صاحب نے آیت کے پہلے حصّے کا ترجمہ یُوں کیا :

"اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو اپنے جھوٹ سے ہلاک ہو جائے گا۔"

یہ ترجمہ درست نہیں، بلکہ اس کے برعکس مسلمہ اصُول یہ ہے کہ ایسے شخص کو لمبی ڈھیل دی جاتی ہے۔ اس اصول کا مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اس وقت حوالہ دیا تھا جب مرزا صاحب نے ان میں سے جو کاذب ہے یا غلطی پر ہے کی موت کی پیشگوئی کی تھی اور کہا تھا کہ ایسا شخص تباہ ہو جائے گا۔

اربعین کے صفحہ ۴، نمبر ۴ پر مرزا صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور باشریعت نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور اس غرض سے باشریعت نبی کی تعریف میں چند تبدیلیاں کر دیں۔ ایسے نبی کی پہلی تعریف یہ تھی کہ وہ نئی شریعت لے کر آتا ہے یا سابقہ شریعت میں تبدیلی کرتا ہے۔ اب انہوں نے شریعت کی تعریف یُوں کی :

"جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحبِ شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رُو سے ہمارے مخالف ملزم ہیں، کیونکہ میری وحی میں اَمر بھی ہے اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام : قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (قرآن کی آیت نمبر ۲۴/۳۰ ترجمہ: یہ

تو ایمان والوں سے کہ دے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے) یہ براہینِ احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گذر گئی ہے اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔"

یہ ایک نیا نظریہ تھا اور نبوّت باشریعت کے دعوے کو سہارا دینے کی خاطر شریعت کی نئی تعریف پیش کی گئی۔

ملفوظات جلد ۱۰ (نومبر ۱۹۰۷ء تا ۶ر جولائی ۱۹۰۸ کی مدت سے متعلق صفحہ ۲۶۷) میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ:-

"جو اعلاماتِ الٰہیہ بھی مجھے ملے ہیں ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نئی شریعت یا نئی نبوّت یا نبوت باشریعت ہے بلکہ انہیں کثرتِ الہامات کی بنا پر لغوی معنوں کی رُو سے نبی یعنی جو خبریں لاتا ہے کہا گیا ہے۔"

یہاں پھر نبوت باشریعت اور نبوت بدونِ شریعت میں فرق کیا گیا اور یہ دعوےٰ بھی اس تعریف سے متصادم ہے جو اربعین (نمبر ۴ صفحہ ۷) میں کی گئی تھی۔

رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں انہوں نے کہا کہ جہاں بھی انہوں نے نبوت یا رسالت کا انکار کیا ہے وہ اس معنی میں ہے کہ وہ اپنے ساتھ مستقل شریعت نہیں لائے اور نہ ہی وہ مستقل نبی ہیں۔ تاہم یہ دعویٰ جہاد کی تنسیخ کے مسئلے سے متضاد ہے۔ کیونکہ جہاد کے بارے میں قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں واضح احکام موجود ہیں۔

دافع البلاء مطبوعہ ۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب نے لکھا کہ "سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" (صفحہ ۱۱)۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ پر لکھا:

"غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں، کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔"

جہاد کا حکم ۱۹۰۰ء میں منسوخ کیا گیا۔ اربعین (نمبر ۴، صفحہ ۱۵) میں بیان کیا گیا کہ:

"اور جمالی رنگ کی زندگی کے لیے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے حق میں فرمایا گیا **یضع الحرب** یعنی لڑائی نہیں کرے گا۔"

مجموعہ اشتہارات (حصہ سوم از ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۸ء) صفحہ ۱۹ پر مرزا صاحب نے لکھا کہ:

"میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے"

"جہاد اور گورنمنٹ انگریزی" کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں:

"دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے"

(نیز دیکھیے الخطب الالہامیہ صفحہ ۲۹، تحفہ گولڑویہ (ضمیمہ) صفحہ ۴۱، تجلیات الٰہیہ صفحہ ۴

تریاق القلوب صفحہ ۳۳۲)۔

مرزا صاحب نے "نبی" کی جو تعریف کی ہے وہ اربعین (نمبر ۴) صفحہ ۷ سے نقل کی جا چکی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۰۰ء میں لکھی گئی تھی اور جیسا کہ اُوپر ذکر ہوا اس میں بھی جہاد کی ممانعت کے احکام موجود ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے مزعومہ نبی ہونے کی حیثیت سے جہاد جو قرآنی احکام پر مبنی ہے، کو منسوخ کرنے کا حق استعمال کیا ہے۔ اور شریعت کو منسوخ کرنے کا فریضہ انجام دے کر اپنے دعوے کے مطابق نبوتِ تامّہ حاصل کی۔ نبوّتِ تامّہ کے اس نکتے پر مرزا بشیر احمد نے کلمۃ الفصل صفحہ ۱۱۲ اور ۱۱۳ پر بحث کی ہے۔ اس نے نبوّت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ حقیقی نبوّت — جس میں نبی صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔

۲۔ نبوّت — جس میں نبی صاحبِ شریعت نہیں ہوتا۔ اور

۳۔ ظلّی نبوّت — جو قادیانی نکتۂ نظر کے مطابق رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباعِ کامل سے حاصل ہوتی ہے۔

اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے کہ ظلّی نبوّت ایک گھٹیا قسم کی نبوّت ہے مرزا بشیر احمد نے اسے "نفس کا دھوکہ قرار دیا جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں، کیونکہ ظلّی نبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان نبی کریم صلعم کی اتباع میں اس قدر غرق ہو جاوے کہ من تُو شدم تُو من شدی کے درجہ کو پالے۔ ایسی صورت میں وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جمیع کمالات کو عکس کے رنگ میں اپنے اندر اترتا پائے گا حتیٰ کہ ان دونوں میں قرب اتنا بڑھے گا کہ نبی کریم صلعم کی نبوّت کی چادر بھی اس پر چڑھائی جائے گی تب جا کر وہ ظلّی نبی کہلائے گا۔ پس جب ظل کا

یہ تقاضا ہے کہ اپنے اصل کی پوری تصویر ہو اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے تو وہ نادان جو مسیح موعودؑ کی ظلی نبوّت کو ایک گھٹیا قسم کی نبوّت سمجھتا ہے یا اس کے معنے ناقص نبوّت کے کرتا ہے وہ ہوش میں آئے اور اپنے اسلام کی فکر کرے، کیونکہ اس نے اس نبوت کی شان پر حملہ کیا ہے جو تمام نبوتوں کی سرتاج ہے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگوں کو کیوں حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت پر ٹھوکر لگتی ہے اور کیوں بعض لوگ آپ کی نبوّت کو ناقص نبوّت سمجھتے ہیں، کیونکہ مَیں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ آنحضرت صلعم کے بروز ہونے کی وجہ سے ظلی نبی تھے اور اس ظلی نبوّت کا پایہ بہت بلند ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ پہلے زمانوں میں جو نبی ہوتے تھے ان کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ ان میں وہ تمام کمالات رکھے جاویں جو نبی کریم صلعم میں رکھے گئے، بلکہ ہر نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے، کسی کو بہت کسی کو کم، مگر مسیح موعودؑ کو تو تب نبوّت ملی جب اس نے نبوّتِ محمدیہ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا۔"

یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ عیسٰی بن مریم کی بعثتِ ثانیہ کے انکار کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ایک نبی تھے اور نبوّت تیرہ سو سال پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے اس اصُول کو دوہرے پن سے بلند نہ رہنے دیا۔ ازالہ اوہام (صفحہ ۴۱۰) میں انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ آنے والے مسیح کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت میں سے نبی کہا گیا ہے، لیکن یہ نبوّتِ ناقصہ ہوگی۔ بعد میں مرزا صاحب نے اسے نبوّتِ کاملہ، تشریعی نبوّت اور دُوسرے نبیوں سے برتر نبوّت میں ترقی دے لی۔

مرزا صاحب نے غیر مبہم لفظوں میں کہا کہ جبریل کے بسلسلۂ وحی آنے کا باب بند ہے۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۱) لیکن یہ امر بھی ان کے منصوبے یا پروگرام میں حائل نہ ہوسکا۔ انہوں نے اللہ سے براہِ راست مکالمہ اور مخاطبہ کا دعویٰ کرکے جبرائیل کی ضرورت کو بے اثر کردیا۔ لیکن یہ اہتمام بھی کافی نہ تھا اور انہیں کامل نبیوں کی سطح پر نہ پیش کرسکا تو انہوں نے دعویٰ کردیا کہ ان کے پاس جبرائیل آیا تھا۔ حقیقۃ الوحی (صفحہ ۱۰۳) میں کہا:

"وقالوا انّی لک ھذا، قل ھو اللہ عجیب، جاءنی ایل واختار وادار اصبعہ واشار ان وعد اللہ اتی فطوبیٰ لمن وجد ورأی الامراض تشاع والنفوس تضاع"

مرزا صاحب نے اس کا اردو ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اور کہیں گے تجھے یہ مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا کہ خُدا ذوالعجائب ہے میرے پاس ایل آیا اور اس نے مجھے چُن لیا اور اپنی انگلی کو گردش دی اور یہ اشارہ کیا کہ خدا کا وعدہ آگیا۔ پس مبارک وہ جو اس کو پاوے اور دیکھے کئی طرح کی بیماریاں پھیلائی جائیں گی اور کئی آفتوں سے جانوں کا نقصان ہوگا۔"

حاشیے پر مرزا صاحب نے ایل کا ترجمہ جبرائیل بتایا ہے۔ جبرائیل کا نزول نبوّت کی تکمیل کی علامت ہے اور یُوں مرزا صاحب ایک کامل نبی بن گئے۔

ان عبارتوں سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو ناقص نبی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس انہیں رسُولُ اللہ صَلّی اللہُ علیہِ وسلّم کی مانند کامل نبی خیال کیا جاتا تھا۔ یہی بات اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ مرزا صاحب کو مرتبے میں دیگر تمام انبیاء سے افضل مانا جاتا تھا۔

مرزا صاحب کی برابری بلکہ برتری کا سُراغ براہینِ احمدیہ حصّہ چہارم میں اپنے بارے میں لکھی ہُوئی ان عبارتوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مختلف مزعومہ الہامات کا ذکر کیا ہے جن میں ابراہیم، داؤد، یوسف، عیسٰی وغیرہ کے اسماء آئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جہاں بھی ان انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے اس سے مُراد وہ خُود ہیں۔ (دیکھیے صفحات ۵۵۵۔ ۵۵۷)

ملفوظاتِ احمدیہ حصّہ چہارم صفحہ ۱۴۲ پر کہا گیا ہے کہ انبیاء کے کمالات کے بارہ میں مرزا صاحب نے کہا:

"کمالاتِ متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے وہ سب کے سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجُود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسولِ کریم سے ظلی طَور پر ہم کو (مرزا صاحب کو) عطا کیے گئے اور اسی لیے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسٰی، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان اور یحییٰ اور عیسٰے ہے۔"

اور ایک اور مقام پر کہا:

"پہلے تمام انبیاء ظل تھے حضرت نبی کریم کی خاص صفات کے اور اب ہم (مرزا صاحب) ان تمام صِفات میں حضرت نبی کریم کے ظل ہیں۔"

ظل اور اصل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ عملاً ایک دُوسرے کا ثانی یا دُہرا ہوتا ہے۔ یہی بات مرزا صاحب کے اس دعوے سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات میں ان کے ظل ہیں جب کہ دیگر تمام انبیاء میں سے ہر نبی کو کم تعداد میں کمالات حاصل تھے۔ سو یہ امر واضح ہے کہ مرزا صاحب کے مُطابق کمال یا افضلیت کے مسائل میں وہ رسُولِ پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں اور دیگر انبیاء سے برتر ہیں۔

براہین احمدیہ میں ایسی قرآنی آیاتِ کریمہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی تھیں، کی شکل میں متعدد ایسے الہامات کا تذکرہ موجود ہے۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ تمام آیات خود ان کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہیں اور وہ ان کا مصداق ہیں۔ ایک واضح مثال آیت ۴۸/۲۸ هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ۔ ہے۔ نیز آیات نمبر ۸/۱۷، ۶۸/۲، ۳/۳۱ اور ۲۶/۲۲ وغیرہ۔ اس طرح انہوں نے براہینِ احمدیہ میں اپنے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہونے کی بنیاد رکھ دی تھی۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ ان پر تین لاکھ الہامات نازل ہوئے جن میں سے پچاس ہزار مختلف ذرائع سے دولت کے حصُول سے متعلّق تھے۔ کئی دُوسرے مقامات پر مرزا صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ انہیں عطا شدہ نشانیوں کی تعداد اُن نشانیوں سے بہت ہی زیادہ ہے جو دُوسرے نبیوں مثلاً نوحؑ، یُوسفؑ اور عیسٰیؑ وغیرہ کو دی گئی تھیں۔

کلمۃ الفصل (ریویو آف ریلیجنز شمارہ ۳ جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۷) میں مرزا بشیر احمد نے لکھا کہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے وہ کافر ہو لیکن جو شخص مسیح موعود کا منکر ہو وہ کافر نہ ہو۔ اگر ظہورِ اوّل کا انکار کفر ہے تو ظہورِ ثانی جس میں مسیح موعود کے مطابق اس کی روحانیت زیادہ قوی، اکمل اور اتمّ ہے کے انکار کو کفر نہ سمجھا جائے۔

ظہورِ ثانی مرزا صاحب کی نبوت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیّت اور مرزا صاحب کی رُوحانیّت کا موازنہ کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ زیادہ قوی، اکمل اور اتمّ ہے اور یہ ان کی رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی برتری کا پیمانہ ہے۔ یہ امر اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو مرزا صاحب کی زندگی میں رُونما ہوا۔ ایک شاعر قاضی اکمل جو مرزا صاحب کا پیرو تھا نے ان کی

ستائش میں ایک قصیدہ لکھا جو قادیان کے اخبار البدر مؤرخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا قصیدے کا ایک شعر تھا : ؎

محمد پھر اُتر آتے ہیں ہم میں ۔۔۔ اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں

(دیکھیے پیغام صلح لاہور شمارہ ۴۷ جلد ۳۲ مؤرخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۴۴ء، قادیانی مذہب صفحات ۲۶۰ - ۲۶۱)۔

اس شعر میں محمدؐ کے پھر اُتر آنے کا مطلب یہ ہے کہ محمد مرزا صاحب کی شکل میں دوبارہ آگئے اور ان کی شان و شوکت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بڑھ کر ہے (الخطبۃ الالہامیۃ)

اگلا قدم اپنے اُوپر ختم نبوت کا دعویٰ ہے۔ یہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوتا ہے :

"محمدی ختم نبوّت کی اصل حقیقت کو دُنیا میں کما حقّہٗ کوئی نہیں جو سمجھ سکتا ہو سوائے اس کے جو خود حضرت خاتم الانبیاء کی طرح خاتم الاولیاء ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی اصل حقیقت کا سمجھنا اس کے اہل پر موقوف ہوتا ہے اور یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ ختمیت کا اہل یا حضرت محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یا حضرت مسیح موعود ہے۔" (تشحیذ الاذہان قادیان نمبر ۸ جلد ۱۲، ۱- ۲ر اگست ۱۹۱۷ء)۔

"غرض اس حصّہ کثیر وحی الٰہی اور امورِ غیبیہ میں اس امّت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہُوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمّت میں سے گُذر چکے ہیں ان کو یہ حصّہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے مَیں ہی مخصوص کیا گیا اور دُوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی۔ کیونکہ اگر دُوسرے صُلحا جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں وہ اسی قدر مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ اور امورِ غیبیہ سے حصّہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے تو اس صُورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پُورے طور پر پانے سے روک دیا تا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا' وہ پیشگوئی پوری ہو جاوے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)۔

یہ عبارت مرزا صاحب کے اس نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ واحد نبی ہیں اور ان کا بروز ہونے کی بنا پر وہ اس نام کے مستحق ہوتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا صاحب آخری نبی ہیں۔ یہ امر درج ذیل عبارتوں سے مزید واضح ہوتا ہے :

"کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہُوں کہ مَیں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہُوں" (ایک غلطی کا ازالہ ص۵)۔

"مَیں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہُوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نُور ہُوں" (کشتیٔ نوح صفحہ ۵۶)۔

"وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ اس آیت میں ایک پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ کہ اب نبوّت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے اور بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا وجُود ہے، کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کھُلے کھُلے طَور پر نبیوں کی طرح خدا سے کوئی علمِ غیب پاوے اور چونکہ وہ بروزِ محمدی جو قدیم سے موعُود تھا وہ مَیں ہُوں۔ اس لیے بروزی رنگ کی نبوّت مجھے عطا

کی گئی ہے اور اس نبوت کے مقابل اب تمام دُنیا بے دست و پا ہے کیونکہ نبوّت پر مہر ہے۔ ایک بروز محمدی جمیع کمالاتِ محمدی کے ساتھ آخری زمانے کے لیے مقدّر تھا سو وہ ظاہر ہو گیا۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"معلوم ہوا کہ ختمیّت ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، پھر اس کو دی گئی جسے آپ کی رُوح نے تعلیم دی اور اپنا ظل بنایا (ما الفرق فی آدم والمسیح الموعود ضمیمہ الخطب الالہامیہ صفحہ ب)۔"

"آخری زمانے کے لیے خدا نے مقدر کیا ہوا تھا کہ وہ عام رجعت کا زمانہ ہو گا تا یہ اُمّتِ مرحُومہ دُوسری امّتوں سے کسی بات میں کم نہ ہو، پس اس نے مجھے پیدا کر کے ہر ایک گذشتہ نبی سے مجھے اس نے تشبیہ دی کہ وہی میرا نام رکھ دیا۔ چنانچہ آدمؑ، ابراہیمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ وغیرہ یہ تمام نام براہین احمدیہ میں میرے رکھے گئے اور اس صُورت میں گویا تمام انبیاء گذشتہ اس اُمّت میں دوبارہ پَیدا ہو گئے یہاں تک کہ سب کے آخر مسیحؑ پیدا ہو گیا اور جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہُودی اور مشرک رکھا گیا۔"

(نزول المسیح صفحہ ۴، کلمۃ الفصل صفحہ ۱۳۳)

ان تحریروں کی توضیح مرزا صاحب کے جانشینوں نے کی۔ مرزا بشیر احمد نے کلمۃ الفصل ص۱۱۶ میں کہا:

"اب اگر آپ کے بعد بھی بہت سے نبی آجاتے تو پھر آپ کی شان لوگوں کی نظروں سے گر جاتی کیونکہ آپ کے بعد بہت سے نبیوں کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نعوذ باللہ محمد رسُول صلعم کا دُرجہ اتنا معمولی ہے کہ بہت سے لوگ محمد رسول اللہ بن سکتے ہیں

کیونکہ جو کوئی بھی ظلی نبی ہوگا وہ بوجہ نبی کریم صلعم کے تمام کمالات حاصل کر لینے کے محمدؐ رسول ہی کہلائے گا۔ پس اس لیے اُمّتِ محمدیہ میں صرف ایک شخص نے نبوّت کا درجہ پایا۔"

اس سے معاملہ طے ہوجاتا ہے۔ بابِ نبوّت کو کھولنے کے تمام نظریات تنہا مرزا صاحب ہی کی خاطر تھے اور جو استدلال بابِ نبوّت کے کھولنے کے خلاف درست تھا اسے بالآخر اختیار کر لیا گیا، لیکن مرزا صاحب کے مفاد کی خاطر صرف ایک استثنا کرنے کے بعد۔

"اس حقیقت کو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب اعجاز المسیح میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور کھول کھول کر بتایا ہے کہ نبی کریمؐ کے دو بعث ہیں۔ بعث اوّل میں اسم محمدؐ کی تجلّی تھی مگر بعث دوم اسم احمد کی تجلّی کے لیے ہے" (یعنی مرزا صاحب بطور بروز) (کلمۃ الفصل صفحہ ۱۴۰)۔ یوں تیسری بعث کی نفی کر دی گئی۔

تشحیذ الاذہان قادیان (نمبر ۸ جلد ۱۲ صفحہ ۱۱ اگست ۱۹۱۷ء) میں بیان کیا گیا ہے کہ "آنحضرت صلعم کے بعد صرف ایک ہی نبی کا ہونا لازم ہے اور بہت سارے انبیاء کا ہونا خدا تعالیٰ کی بہت ساری مصلحتوں اور حکمتوں میں رخنہ واقع کرتا ہے" (قادیانی مذہب صفحہ ۱۹۶)۔

اسی پرچے کے شمارہ مارچ ۱۹۱۴ء (نمبر ۳ جلد ۹ صفحہ ۳۰ - ۳۲) میں مزید بیان کیا گیا:

"پس ثابت ہوا کہ اُمّتِ محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں نہیں آ سکتے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت میں صرف

ایک نبی اللہ کے آنے کی خبر دی ہے جو مسیح موعود ہے اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ یا رسول اللہ نہیں رکھا اور نہ کسی اور نبی کے آنے کی آپ نے خبر دی ہے بلکہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما دیا کہ مسیح موعود کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا" (قادیانی مذہب صفحہ ۱۹۷)۔

اب مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کے ان دعوؤں کا کچھ متضاد بیانات سے موازنہ کیجئے۔

"ایک غلطی کا ازالہ" (صفحہ ۷) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹ جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ایک ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوّت کا اظہار کریں۔"

لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۲ پر مرزا صاحب نے کہا:

"لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبّت کے مرتبے پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں۔"

میاں بشیر الدین محمود نے کہا کہ "ہزاروں نبی ہوں گے۔" (انوار خلافت صفحہ ۶۲ از قادیانی مذہب صفحہ ۱۸۰)

"ہاں قیامت تک رسول آتے رہیں گے" (الفضل قادیاں مؤرخہ ۲۷ فروری ۱۹۲۷ء

نمبر ۶۸ جلد ۱۴ مرزا بشیرالدین محمود بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ ۱۸۱)۔

حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۳۸ پر اس نے ایک مختلف بات کہی ہے کہ "اس لیے ہم اس اُمّت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں، آئندہ کا حال پردۂ غیب میں ہے۔" (قادیانی مذہب صفحہ ۱۷۹)

ایک سوال کے جواب میں اس نے لکھا:

"آپ کا چوتھا سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کے بعد کوئی اور نبی آئیگا یا آسکتا ہے۔ اگر کوئی اور نبی نیا مبعوث ہو تو احمدی لوگ اس پر ایمان لائیں گے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے بعد نبی آسکتا ہے، آئے گا کے متعلق ہیں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی کتب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا نبی آئے گا، اس پر ایمان لانا احمدیوں کے لیے ضروری ہوگا" (مکتوب میاں بشیرالدین محمود احمد مندرجہ الفضل قادیاں مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۷ء نمبر ۸۵ جلد ۱۴ بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ ۱۷۹)۔

نبیوں کی آمد کے نظریے میں ایک مزید تبدیلی اُس کے اس جواب میں نظر آتی ہے جو اس نے اس سوال پر دیا کہ "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام (مرزا صاحب) کے بعد بھی جب نبی آنے کا امکان ہے تو آپ کو آخری زمانے کا نبی کہنے کا کیا مطلب ہے" اس کا جواب یہ تھا:

"آخری زمانے کا نبی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ (مرزا صاحب) کے توسّط کے بغیر کسی کو نبوت کا درجہ حاصل نہیں ہو

سکتا۔" (خطبہ جمعہ میاں بشیر الدین محمود مندرجہ الفضل نمبر ۱۲۰ جلد ۲ مؤرخہ ۲ / مئی ۱۹۳۱ء بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ ۱۸۰)۔

مرزا صاحب اور اُن کے جانشین کے یہ تمام مختلف بیانات مرزا صاحب کی اس پالیسی کے عین مطابق ہیں کہ ایک ہی کتاب یا رسالے میں بیک وقت یا بعد میں دوسری کتابوں یا رسالوں میں مختلف بلکہ متضاد باتیں کہہ دی جائیں۔ بہرحال مرزا صاحب کی کتابوں اور کلمۃ الفصل اور تشحیذ الاذھان کے اقتباسات اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے حقیقتاً اپنے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

علامہ اقبال کی آرار سے ان نظریات پر مزید روشنی پڑتی ہے وہ کہتے ہیں:

"بانی کا اپنا استدلال جو قرون وسطیٰ کے متکلمانہ اسلوب سے بالکل ملتا ہے، یہ ہے کہ اگر پیغمبر اسلام کی روحانیت کسی اور نبی کی تخلیق نہ کر سکے تو وہ خود ناقص ٹھہرے گی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ خود اس کی نبوت پیغمبرؐ اسلام کی روحانیت کے تخلیق انبیار کی صفت سے متصف ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن اگر آپ اس سے مزید سوال کریں کہ کیا حضرت محمدؐ کی روحانیت ایک سے زیادہ نبیوں کی تخلیق کے قابل ہے تو اس کا جواب ہے "نہیں" اس کا حقیقی مفہوم یہ ہوگا: "محمدؐ آخری نبی نہیں ہے آخری میں ہوں" تاریخ انسانیت میں عموماً اور تاریخِ ایشیا میں خصوصاً ختمِ نبوّت کے اسلامی عقیدے کی فکری قدرومنزلت کے ادراک سے صرفِ نظر کرتے ہوئے وہ سمجھتا ہے کہ اس معنی

میں ختمیت کہ محمدؐ کا کوئی پیروکار مرتبۂ نبوت نہ پا سکے، نبوتِ محمدیہ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ جہاں تک میں اس کی نفسیات کا مطالعہ کر سکا ہوں، وہ اپنے دعوئِ نبوت کی خاطر جسے وہ پیغمبرِ اسلام کی تخلیقی روحانیت قرار دیتا ہے، استعمال کرتا ہے۔ اور پھر اسی لمحہ پیغمبرِ اسلام کی روحانیت کی تخلیقی صلاحیت کو صرف ایک نبی یعنی بانی تحریک احمدیہ کی تخلیق تک محدود کر کے، اُن کی ختمیت کی نفی کرتا ہے۔ سو یُوں یہ نیا نبی چُپکے سے اس ذات کی ختمیت کو چُرا لیتا ہے جسے وہ اپنا روحانی مُورث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

وہ پیغمبرِ اسلام کا بروز ہونے کا مدعی ہے اور دعویٰ کرتا ہے، کہ پیغمبرِ اسلام کا بروز ہونے سے اُن کی ختمِ نبوت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس نے دو ختمیتوں، ایک خود اپنی اور دوسری پیغمبرِ اسلامؐ کی نشاندہی کر کے ختمِ نبوت کے معنی کو نظرانداز کیا ہے۔ تاہم یہ امر بالکل واضح ہے کہ بروز کا لفظ، کامل مشابہت کے مفہوم میں بھی اس کے کسی کام نہ آئے گا، کیونکہ بروز اصل کے مماثل ہوتا ہے اگر یہ سمجھیں تو پھر بھی دلیل بیکار رہے گی۔ لیکن اگر اسے آریائی معنوں میں تناسخ کے مفہوم میں لیں تو استدلال خوشنما ہو جاتا ہے لیکن اس کا مصنّف چُھپا ہوا مجوسی بن کر رہ جاتا ہے۔" (THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL) از عبدالوحید صفحہ ۲۹۶ ۲۹۸)۔

یہ واضح ہے کہ شریعت کا ایسا کوئی اصول نہیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی آمد کی گنجائش نکلتی ہو اور نہ شریعت میں بروز، حلول، ظل وغیرہ کا کوئی تصور موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت ثانیہ اور مہدی کے ظہور کی احادیث کسی بھی طرح مرزا صاحب پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اس لیے انہوں نے اپنے دعووں کی پوری عمارت نہ صرف متنِ قرآن بلکہ احادیث کی تاویلات پر کھڑی کی۔ قادیان دمشق بنا اور مسجد اقصیٰ قادیان کی مسجد ہے۔

اُن کی راہ میں بڑی مشکل عیسیٰؑ تھے۔ اس لیے عیسیٰؑ کو میدان سے ہٹانا ضروری تھا اور یہ مقصد ان کی کشمیر میں اپنی طبعی موت کے تصوّر سے پورا کیا گیا۔ ان سے عیسیٰؑ جیسے معجزات پیش کرنے کو کہا گیا تو جواب میں انہوں نے عیسیٰؑ اور ان کے معجزات کے دلائل کا مذاق اڑایا۔

دعویٰ نبوت کا نتیجہ بے قاعدگیوں کے سوا کیا ہوتا۔ اُن کے دعویٰ کے یہ جزوی نتائج سامنے آ چکے ہیں، مزید خلاف ورزیاں بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے رائے بنا لی تھی کہ قرآن کریم کی صحیح تفسیر اور حدیث کی صحت کو جانچنے کے صرف وہی اہل ہیں۔

آئیے عیسیٰؑ کے بارہ میں اسلامی نقطۂ نظر سمجھ لیں اور ان کے بارے میں مرزا صاحب کا تصور بھی۔

اللہ کے تمام انبیاء اور رُسل پر ایمان لانا ایک مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ	اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	جو تجھ پر نازل ہوا اور اس پر
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝	جو تجھ سے پہلے نازل ہوا اور
(البقرة آیت ۴)	وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ....	جو اللہ پر اور دن ــ اور نبیوں
والنَّبِیّٖنَ	پر ایمان لائے
(البقرۃ آیت ۷۷)	نیز آیات ۳/۱۷۹، ۷/۱۵۸، ۴/۱۳۶
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ ۔	پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

ایک اور مسلمہ اصول یہ ہے کہ مسلمان انبیاء میں تفریق نہیں کرتے۔

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ	ہم اس کے رسولوں میں کسی کے
رُّسُلِہٖ (البقرۃ آیت ۲۸۵)	درمیان فرق نہیں کرتے۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

لَا تُخَیِّرُوْا	انبیاء کے درمیان افضلیت میں ترجیح
بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ	نہ دو۔

عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

مَا یَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّقُوْلَ	کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ
اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰی	کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں (ایضاً)۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک صحابی نے پیٹ دیا، تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ آپ کے ایک صحابی نے مجھے پیٹا ہے۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ہے۔ اُس (صحابی) نے کہا کہ اُس (یہودی) نے موسیٰؑ کو آپؐ پر افضلیّت دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"ایک نبی کو دوسرے پر افضلیت یا ترجیح مت دو"
صحیح بخاری میں اس شکایت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سخت ردّعمل کا اظہار ان الفاظ میں مذکور ہے :-

فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى رُئِيَ فِي وَجْهِهٖ	نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اس قدر غضبناک ہوئے کہ غضب آپ کے چہرے میں دیکھا گیا۔

قرآن کریم حضرت مریم کی پیدائش اور تربیت، حضرت یحییٰ کی پیدائش، جو حضرت عیسیٰ کی خوشخبری دینے والے تھے اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا بیان کسی قدر تفصیل سے کرتا ہے (دیکھئے سورہ آل عمران کی آیات ۴۵ تا ۴۹) حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے متعلق آیات یہاں درج کی جاتی ہیں :-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝	اور کتاب میں مریم کو یاد کر جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب کی جگہ میں جا بیٹھی۔
فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝	پس اُس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا تو ہم نے اُس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا جو اُس کے سامنے ایک کامل بشر کی صورت میں نمودار ہوا۔
قَالَتْ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ	وہ بولی کہ اگر تم کوئی خدا ترس

مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ۝	آدمی ہو تو میں تم سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔
قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝	اُس نے کہا میں تیرے رب ہی کا فرستادہ ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کر دوں۔
قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ۝	وہ بولی میرے لڑکا کیسے ہو گا جبکہ نہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ لگایا اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔
قَالَ كَذٰلِكِ‌ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ‌ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ۝	اُس نے کہا یوں ہی ہو گا۔ تیرے رب کا فرمان ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی ایک نشانی اور اپنی جانب سے رحمت بنائیں اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔
فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝	پس اُس نے اس کا حمل اٹھا لیا اور اسے لیکر ایک دُور کے مقام کو چلی گئی۔
فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ‌ قَالَتۡ	پھر اس کو دردِ زہ کھجور کے تنے کے پاس لے گیا۔ اُس نے کہا اے

يٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ	کاش! میں اس سے پہلے ہی مر
هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝	کھپ کے بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی
فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا	پس اُس کے نیچے سے فرشتے نے
تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ	اس کو آواز دی کہ مغموم نہ ہو، تمہارے
تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ	نیچے سے تمہارے رب نے ایک
اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ	چشمہ جاری کر دیا ہے۔ تو کھجور کے
تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا	تنا کو اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازہ
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ	خرمے جھڑیں گے۔
عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ	پس کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔
مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ	پس اگر تجھے کوئی آدمی نظر آئے
اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ	تو اسے کہہ دے کہ میں نے رحمٰن
صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ	کے لئے روزے کی نذر مان رکھی
الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝	ہے۔ اس لئے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔
فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ	پس وہ اس کو گود میں اٹھائے ہوئے
قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ	اپنی قوم کے پاس آئی۔ انہوں نے
جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝	کہا اے مریم! تو نے تو یہ نہایت عجیب حرکت کر ڈالی ہے۔
يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ	اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا

اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝

باپ ہی کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں ہی کوئی بد کار تھی۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ط قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

پس اُس نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کہا ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے؟

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ۝

اُس نے جواب دیا میں اللہ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ يَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝

اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے خیر و برکت والا بنایا ہے اور جب تک زندہ رہوں اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ہدایت کی ہے۔ اور مجھے ماں کا فرمانبردار بنایا ہے۔ اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا ہے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا، جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	یہ ہے عیسیٰ بن مریم!
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ	یہ اصل حقیقت کا بیان ہے جس
يَمْتَرُونَ ○ (مریم آیات ۱۶ تا ۳۴)	میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔
إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ	یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے
يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ	مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے
بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ	ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ وہ
وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ	دنیا اور آخرت دونوں میں ذی
وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ○	وجاہت اور مقرب بندوں میں سے ہو گا
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ	وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی
وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ○	بات کرے گا اور ادھیڑ ہو کر بھی
قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي	اور وہ صالحین کے گروہ میں سے
وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ	ہو گا۔ وہ بولی میرے پروردگار!
قَالَ كَذٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ	میرے کس طرح لڑکا ہو گا جبکہ
مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ	کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ	لگایا۔ ارشاد ہوا، اسی طرح اللہ
كُنْ فَيَكُونُ ○	پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب
	وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو
	اس کو کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلاً اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

(آل عمران آیات ۴۵ تا ۴۹)

جاتا ہے۔

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے خداوند کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی صورت کے مانند صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مار دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے اور ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ بے شک ان

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ
يَمْتَرُونَ ۝ (مریم آیات ۲۶ تا ۳۴)

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ
يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ
بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ
وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ۝
قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي
وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ
قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ
مَا يَشَآءُ إِذَا قَضٰٓى
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ
كُنْ فَيَكُونُ ۝

یہ ہے عیسیٰ بن مریم!
یہ اصل حقیقت کا بیان ہے جس
میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔

یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے
مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے
ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس
کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا۔ وہ
دنیا اور آخرت دونوں میں ذی
وجاہت اور مقرب بندوں میں سے ہو گا۔
وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی
بات کرے گا اور ادھیڑ ہو کر بھی
اور وہ صالحین کے گروہ میں سے
ہو گا۔ وہ بولی میرے پروردگار!
میرے کس طرح لڑکا ہو گا جبکہ
کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں
لگایا۔ ارشاد ہوا، اسی طرح اللہ
پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب
وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو
اس کو کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو

جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

(آل عمران آیات ۴۵ تا ۴۹)

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی) کہ میں تمہارے خداوند کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی صورت کے مانند صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مار دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے اور ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں۔ بے شک ان

ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ○ (مریم آیات ۱۶ تا ۳۴)

یہ ہے عیسٰی بن مریم! یہ اصل حقیقت کا بیان ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ○ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ○ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ○

یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذی وجاہت اور مقرب بندوں میں سے ہوگا وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور ادھیڑ ہو کر بھی اور وہ صالحین کے گروہ میں سے ہو گا۔ وہ بولی میرے پروردگار! میرے کس طرح لڑکا ہو گا جبکہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ارشاد ہوا، اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو

باتوں کے اندر تمہارے لئے
نشانی ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔

آیت نمبر ۴۹ حضرت عیسیٰؑ کے ان معجزات کو بیان کرتی ہے جو انہیں بطور نشانی عطا کئے گئے تھے۔ تاہم کئی آیات کریمہ میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے تصور کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً آیات نمبر ۳/۵۹ اور ۴/۱۷۱ اور ۴/۱۷۲ وغیرہ۔

مرزا صاحب نے ایک طرف اللہ کے تمام انبیاء اور رُسل پر برتری کا دعویٰ کیا اور دوسری طرف انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰؑ کے خلاف ہتک آمیز زبان استعمال کی۔ انہوں نے عیسیٰؑ پر برتری کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا:۔

"خدا نے اس اُمّت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا۔" (حقیقت الوحی صفحہ ۱۴۸)۔

قرآن کریم کی آیت نمبر ۳/۴۹ میں صرف حضرت عیسیٰ کے معجزات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا۔ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر لیتے اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ ان کی نشانیاں تھیں۔ مرزا صاحب نے مسیح موعود اور مثیلِ عیسیٰ ہونے

کا دعویٰ کیا تو انہیں بھی کچھ ایسے معجزات دکھانے کو کہا گیا، تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کا انکار کر دیا اور کہا کہ قرآن کریم میں معجزات کا بیان صرف بطورِ تشبیہ ہے۔

انہوں نے حضرت عیسیٰ کے ایسے معجزات پر اعتقاد رکھنے کی مذمت کی اور اسے "صریح الحاد اور سخت بے ایمانی" قرار دیا (ازالۂ اوہام صفحہ ۲۹۶)۔
انہوں نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کے ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھا کہ "آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کیا" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۶ حاشیہ)۔

پھر انہوں نے ایک مختلف مؤقف اختیار کرتے ہوئے لکھا "سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کَل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۲) یا یہ "صرف عمل الترب (مسمریزم) تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہو گیا تھا۔" (ایضاً صفحہ ۳۲۲)۔

"اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے .... اور آپ کے ہاتھ میں سوا مکر اور فریب کے اور کچھ نہ تھا۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۰،۵ حاشیہ ۷، ازالہ اوہام صفحہ ۳۲۲)۔

مرزا صاحب نے لکھا کہ "اب یہ بات یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم باذن حکم الٰہی اس عمل الترب (مسمریزم) میں کمال رکھتے تھے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۰۹)۔

اور "اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدائے تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے قوی امید رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ تھا" (ایضاً)۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں مرزا صاحب نے کہا:

"اور جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزارہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تو پھر حضرت عیسیٰ کی اس پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی بلکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا بعض قویٰ سے محروم ہونے پر دلالت کرتا ہے" (چشمۂ مسیحی صفحہ ۱۸)۔

اس سے عیسیٰ کے بارے میں مرزا صاحب کی اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ عیسےٰ ہیجڑا اور مردانہ صفات سے عاری ہونے کی بناء پر شادی نہ کر سکا۔ (دیکھئے مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۸)۔

مرزا صاحب نے کہا کہ "آپ (عیسیٰؑ) کا شجرۂ نسب انتہائی گندہ تھا، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں"....

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ، حاشیہ)۔

نیز الزام لگایا کہ "ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر

عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات پر غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے .... آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی"۔ (ایضاً صفحہ ۵ حاشیہ)۔

ایک دفعہ مرزا صاحب کو افیون کے استعمال کا مشورہ دیا گیا تو فوراً بولے کہ پھر لوگ کہیں گے کہ پہلا مسیح شرابی تھا اور دوسرا افیون خور۔

میں نے صرف چند ایسے اقتباسات پیش کیے ہیں جن میں مرزا صاحب نے اللہ کے ایک عظیم نبی کے بارے میں حقارت آمیز، نفرت انگیز اور گھٹیا کلمات استعمال کیے ہیں۔ میں نے ان حوالوں کو پیش کرنے سے عموماً احتراز کیا ہے جن کے بارے میں ان کا بہانہ یہ ہے کہ وہ ان عیسائی مشنریوں کے ساتھ مناظروں میں ردِّعمل کے طور پر کہے گئے تھے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زیادہ گندی زبان استعمال کرتے تھے۔ کوئی مناظرہ باز اسے جائز سمجھے تو سمجھے لیکن اسلام کسی بھی نبی یا رسول کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عہد نامہ قدیم میں کئی انبیاء مثلاً نوحؑ اور لوطؑ کے بارے میں کئی نفرت انگیز باتیں ہوسکتی ہیں لیکن اسلامی عقیدے کی رُو سے نبی معصوم ہوتا ہے۔ لوگوں کا ایسا رہنما جس کا مشن ہی ان کو نیکی کی تعلیم و تربیت دینا ہو، وہ خود نیک ہی ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کے حمل اور عیسیٰؑ کی ولادت کا تذکرہ بہت عمدہ انداز میں کیا گیا ہے لیکن مرزا صاحب نے اسے برسات کے موسم میں کیڑے مکوڑوں کی پیدائش سے تشبیہ دے دی ہے۔ مرزا صاحب ایک تالاب

کی مٹی میں معجزاتی خصوصیات تسلیم کرنے کو تیار ہیں لیکن ایک نبی اللہ کے معجزات کو نہیں مانتے۔

یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب نے اپنے کمرے کے قریب واقع مسجد کو بیت الذکر کا نام دیا تھا۔

براہین احمدیہ میں مرزا صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ جو کوئی اس میں داخل ہوتا ہے امن میں ہے، اسے مکہ کے کعبہ یا بیت الحرام کی خصوصیت دے دی ہے۔

دوسرا قدم یہ تھا کہ قادیان کا مرتبہ بڑھا کر اسے مکہ کے مساوی قرار دیا جائے انہوں نے دُرِّ ثمین صفحہ ۵۲ پر لکھّا :

زمین قادیان اب محترم ہے ہجوم خلق سے ارضِ حرم ہے

اپنے طور پر اس شعر کی کوئی زیادہ معنویت نہ ہوتی لیکن دوسرے حالات کے پیش نظر یہ بہت ہی متعلق ہے۔

آئینۂ کمالاتِ اسلام (صفحہ ۳۵۲) میں مرزا صاحب نے قرار دیا کہ "قادیان میں منعقدہ سالانہ جلسے میں شرکت کا ثواب نفلی حج سے زیادہ ہے"۔

مرزا صاحب نے صاحبزادہ عبداللطیف کو حج پر جانے سے روک دیا۔ وہ احمدیت کی تعلیم پانے کے لیے قادیاں میں رُک گیا۔ (قادیانی مذہب صفحہ ۳۶۳)

"مرزا بشیر الدین محمود احمد نے قادیان آنے کو حج کے برابر قرار دیا"۔ (ایضاً صفحہ ۳۶۲)۔

مرزا صاحب نے اپنی مسجد کو مسجد الاقصیٰ کا نام دیا (دیکھئے آیت قرآن نمبر ۱/۱۷) تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۲۷)۔

اس کا مشرقی مینارہ بنوایا جا رہا تھا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ مسیح دمشق کے مشرقی مینارے پر نازل ہو گا، ایک اور روایت یہ ہے کہ نزول (بیت المقدس کی) مسجد الاقصیٰ سے ہو گا۔ اس طریقے پر جسے معقولیت کا مذاق ہی کہا جا سکتا ہے، مرزا صاحب نے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ مذکورہ بالا مینارہ مسجد الاقصیٰ کا ہی ہے اس لیے قادیان میں واقع اُن کی مسجد کا مینارہ تعمیر کر دیا جائے تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا منشا پورا ہو جائے (ایضاً صفحہ ۳۸)۔

مرزا صاحب نے قرآن کریم کی آیت ۱۷/۱

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی	پاک ہے وہ ذات جو اپنے
بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ	بندے کو لے گئی ایک شب
الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا	مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک
الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ	جس کے اردگرد کو ہم نے برکت بخشی
مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ	تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝	بے شک سمیع و بصیر وہی ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۱)

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں ہے کا حوالہ دیا اور اسی طریقہ استدلال کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کعبہ (مکہ) سے قادیان کی مسجد اقصیٰ تک سیر فرما ہوئے" (ایضاً صفحہ ۳۹، ۴۰)۔

شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء کے درخواست دہندہ کیپٹن عبدالواجد جو احمدیوں کے لاہوری گروہ کے رکن ہیں، کے دلائل عموماً دوسری شریعت پٹیشن کے

درخواست دہندہ مسٹر مجیب الرحمٰن کے دلائل کا اعادہ تھے تاہم انہوں نے احمدیوں کے لاہوری گروہ اور قادیانی گروہ کے عقائد کے مابین فرق کا نکتہ اٹھایا اور کہا کہ لاہوری گروہ مرزا صاحب کی نبوّت کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نہ ہی مرزا صاحب نے کبھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ لاہوری گروہ کے لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اور قطعی ختم نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور مرزا صاحب کو مہدی معہود، مسیح موعود، مجدّد اور محدّث۔ نبوّت سے کم ہر چیز سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے کئی کتابوں جن میں ازالہ اوہام، نشان آسمانی، آئینہ کمالات اسلام، حمامۃ البشریٰ، ایام صلح وغیرہ شامل ہیں، کا سہارا لیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مرزا صاحب نے کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اُن پر یہ امر واضح کیا گیا کہ اس بارے میں مرزا صاحب کی متعلقہ تحریریں ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک کی تحریریں ہوں گی اور "ایک غلطی کا ازالہ" ایک بنیادی تحریر ہے انہوں نے اس رسالے کے کچھ حصّے پڑھے لیکن وہ نہیں جو موضوع سے متعلق ہیں۔

کیپٹن عبدالواجد نے اس بات کا انکار کیا کہ مرزا صاحب یا قادیانیوں کے لاہوری گروہ نے کبھی اُمّت مسلمہ یا جو بھی کلمہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے) پڑھتے ہوں، کو کبھی مرزا صاحب کے بارے میں ان کے عقیدے کی وجہ سے کافر قرار دیا ہو۔ تاہم انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ جو مُسلمان مرزا صاحب کو کافر کہتے ہیں وہ اس الزام کے بعد کافر ہو جاتے ہیں۔

ان دونوں دعوؤں میں کوئی وزن نہیں۔ مرزا صاحب کی تحریروں سے

واضح ہو گا کہ نہ صرف انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ لاہوری گروہ کا بانی (مولوی محمد علی) بھی ۱۹۱۴ء تک جب اس نے احمدیوں کی بڑی جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنا گروہ بنا لیا، انہیں نبی مانتا رہا۔ اس مفروضے کی تائید میں عبدالقادر کی کتاب "حیات طیبہ" جو مرزا صاحب کی سوانح حیات ہے سے حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ صرف دو اقتباسات کافی ہوں گے۔

صفحہ ۲۹۹ پر بیان کیا گیا ہے کہ ۱۹۰۴ء میں مولوی کرم الدین کے مقدمہ میں محمد علی استغاثہ کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوا اور حلفاً بیان دیا کہ

"مکذّب مُدّعی نبوت کذاب ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ملزم مُدّعی نبوت ہے۔"

صفحہ ۳۰۰ پر مولوی محمد علی کی تحریر جو اس کے اخبار پیغام صلح مؤرخہ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی تھی میں سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا گیا ہے:۔

"ہم حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔"

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہے کہ مولوی محمد علی اور اس کے ساتھی مرزا صاحب کو ان کی زندگی اور ان کے جانشین ایم نورالدین کے زمانہ تک نبی مانتے رہے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ جب مولوی محمد علی احمدیوں کی عام جماعت سے علیحدہ ہوا تو اس نے یہ مختلف مؤقف اختیار کر لیا کہ "اُمت کے اندر رہ کر بھی نبوت کا دعویٰ

کرنا کذاب کا کام ہے" (النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۱۱۵) اور یہ کہ "میں مرزا صاحب کو نبی قرار دینا نہ صرف اسلام کی ہتک سمجھتا ہوں" (پیغام صلح جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء)۔

جب مرزا صاحب نے صرف مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا تو انہیں کفر کے فتوے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی فتویٰ ان کے پیروؤں پر بھی منطبق ہوتا تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی جنہوں نے براہین احمدیہ کے کچھ اجزاء کی تحریر کرنے پر مرزا صاحب کی تعریف کی تھی، ان دعوؤں کی بنا پر حقیقت حال سے آگاہ ہو گئے۔ اور ان کے سخت مخالف بن گئے۔ انہوں نے نہ صرف خود ان کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا بلکہ اس پر تمام ہندوستان کے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد کے دستخط حاصل کئے (حیات طیبہ از عبدالقادر صفحہ ۱۳۲)۔

تاہم ان فتوؤں سے متاثر ہوئے بغیر اس نکتے کا معروضی مطالعہ ہونا چاہیئے۔ مرزا صاحب اور اُن کے جانشینوں کی تحریروں کے اقتباسات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب نے نبی ہونے کا غیر مبہم دعویٰ کیا تھا اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے ان کا دعویٰ قبول نہیں کیا تھا، کافر قرار دیا تھا۔

اب اسلام کا ان لوگوں کے بارے میں کیا مؤقف ہے، جو ایک کافر کے واضح کفر کو نظر انداز کریں یا اس سے آنکھیں بند کرلیں اور اسے مامور من اللہ، مجدد مسیح موعود اور مہدی مانیں حالانکہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا؟ کیا کُفر کی تائید کفر نہیں ہے؟

اسلام کا مسلّمہ اصول یہ ہے کہ جو شخص کفر کو نیکی سمجھے یا اس پر راضی ہو جائے

یا اس پر خوش ہو جائے، وہ مسلمان نہیں ہے (اکفار الملحدین از مولانا انور شاہ کشمیری صفحہ ۵۹)۔

البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے کہ جو یہودی احبار کے خطبوں کو مستحسن خیال کرے اور ان کی تاویل کو پسند کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے اس اصول کو کچھ زیادہ صاف گوئی میں پیش کرتے ہوئے لکھ دیا کہ "اور کافر کو مومن کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۴)۔

قرآن کریم کی آیت نمبر ۲/۲۵۶ اس نکتے پر موزوں ہے اور وہ یہ ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ	دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔
قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ	ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے۔
الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ	تو جس نے طاغوت کا انکار کیا
وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ	رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں
لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(البقرہ آیت ۲۵۶)

قرآن کریم میں متعدد مواقع پر لفظ "طاغوت" اللہ کے مقابل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے مذکورہ بالا آیت، نیز آیت نمبر ۱۶/۳۶ (اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو) اور آیت نمبر ۴/۷۶ (جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں)۔

طاغوت شیطان، ساحر، کاہن اور ضلالت کے لیڈر کے معانی کو متضمن ہوتا ہے۔ جوہری کہتا ہے :۔

"اَلطَّاغُوْتُ الْکَاھِنُ وَالشَّیْطَانُ وَکُلُّ رَأْسٍ فِی الضَّلَالِ" (قرطبی)

(طاغوت، کاہن، شیطان اور گمراہی کا ہر لیڈر ہوتا ہے)

کُلُّ رَأْسٍ فِی الضَّلَالِ (ضلالت کا ہر لیڈر) میں کسی ایسے مذہب یا نظریے کا بانی جو لوگوں کو گمراہ کرے یا جو صراطِ مستقیم کے مخالف ہو، شامل ہے (دیکھئے ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ جواب سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے جج ہیں، جلد اول صفحات ۱۷۹، ۱۸۰)۔

اسی بنا پر اس آیت نمبر ۲/ ۲۵۶ میں مستعمل لفظ 'طاغوت' کا ترجمہ مختلف مترجمین نے مختلف کیا ہے۔ پکتھل نے اس کا ترجمہ 'جھوٹا خدا'، جب کہ آربری نے 'بت' کیا ہے۔ مولانا محمود حسن نے اس کا ترجمہ "گمراہ کرنے والا" کیا ہے۔ یہ بہت ہی مناسب ترجمہ ہے اور سب کو شامل کرتا ہے۔ یہ ایسے شخص کو شامل ہے، جو الحاد کے کسی مذہب کی بنیاد رکھتا ہے۔

ایک مومن یا مسلمان کا وصف یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھے اور طاغوت جس میں جھوٹا نبی شامل ہے، کا کفر یا انکار کرے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص ایک جھوٹے نبی، ضلالت کے لیڈر یا کسی ایسے مذہب کے بانی جو اسلام سے انحراف ہو، کا انکار نہیں کرتا، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا خواہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ ایسے شخص کا معاملہ جو طاغوت اور اللہ تعالیٰ دونوں پر ایمان رکھے اس سے بھی بدتر ہو گا۔

اسے کسی بھی تصوّر یا تاویل سے مسلمانوں کے مساوی درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا۔ "سدِّ ذرائع" کے اصول کی رُو سے بھی اُمّت کو انتشار سے بچانے کی خاطر ایسے گمراہ شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا چاہیئے تاکہ طاغوت پر اعتقاد کے شر سے اُمّت مسلمہ محفوظ رہے۔

مرزا صاحب نے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں پہلی دفعہ نبوت کا دعویٰ کیا، اس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تحریر سے چند روز پہلے ایک "مخالف" نے مرزا صاحب کے ایک پیروکار پر یہ اعتراض کیا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پیروکار نے اس الزام کا انکار کر دیا۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ یہ انکار درست نہ تھا۔ "حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے الفاظ رسول اور مُرسَل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں .... اور براہین احمدّیہ میں جس کو طبع ہوئے بائیس برس ہوئے یہ الفاظ کچھ تھوڑے نہیں ہیں چنانچہ وہ مکالماتِ الہیّہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہو چکے ہیں ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے:۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق
لیظهره علی الدین کله (دیکھو صفحہ ۲۹۸ براہین احمدیہ)

اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کر کے پکارا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اسی کتاب میں میری نسبت یہ وحی اللہ ہے جری اللہ فی حُلل الانبیاء یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حُلّوں میں (دیکھو براہین احمدّیہ صفحہ ۵۰۴) پھر اسی

کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے :

"محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء
علی الکفار رحماء بینھم"

(قرآن کریم کی آیت نمبر ۴۸/۲۹، ترجمہ یوں ہے : محمد اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں ، کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں)" اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھّا گیا اور رسول بھی . . . . . . اسی طرح براہین احمدیہ میں اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا۔"

پھر مرزا صاحب نے اس اعتراض پر بحث کی ہے کہ چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُنیا میں دوبارہ آمد بحیثیت نبی کے مسلمانوں کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے لکھّا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی آیت کا معنی یہ ہے کہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیشگوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے، اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرۃ صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنا فی الرسول کی"۔

مرزا صاحب مزید کہتے ہیں :-

"پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلّی طور پر وہی نبوّت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوّتِ محمدی

کی چادر ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمدؐ اور احمد ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ محمدؐ کی نبوت آخر محمدؐ کو ہی ملی۔ گو بروزی طور پر۔"

نیز صفحہ ۷ پر انہوں نے لکھا:

"پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمدؐ اور احمدؐ رکھا گیا پھر بھی سیدنا محمد خاتم النبیین ہی رہا۔ کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔"

انہوں نے مزید لکھا:

"نام محمدؐ اور احمدؐ سے مسمیٰ ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔" (صفحہ ۹)

قرآن کریم کی آیت نمبر ۶۲/۳

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ

(اور انہی میں سے اُن دوسروں میں بھی جو ابھی اُن میں شامل نہیں ہوئے)۔

کو بھی مرزا صاحب نے اسی طرح توڑ مروڑ کر اور غلط معنی پہناتے ہوئے اپنے نظریئے پر چسپاں کرنے اور اپنے سمیت مستقبل کے نبیوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے:

میں .... بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمدؐ اور احمدؐ رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے، پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوّت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظلّ اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا (صفحہ ۱۰)۔

قرآن کریم کی آیت نمبر ۶۲/۳ کو اس سے قبل کی آیت ۶۲/۲ سے ملاکر پڑھنا چاہیئے۔ ان کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد سے ہے کہ "اسی نے بھیجا ہے اُمیّوں میں ایک رسول انہی میں سے جو اُن کو اُس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بیشک یہ لوگ اس سے پہلے کھُلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے ان دوسروں میں بھی جو ابھی اِن میں شامل نہیں ہوئے۔"

(خط کشیدہ اُس حصّے کا ترجمہ ہے جس سے مرزا صاحب نے غلط مفہوم نکالا ہے)۔

یہ دونوں آیات (۶۲/۲ اور ۶۲/۳) صرف ایک ہی نبی یعنی حضرت نبیّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتی ہیں۔ ان کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اُن کا پیغام جو وحیِ الٰہی یعنی آیاتِ کریمہ اور حکمت پر مشتمل ہے، کی تعلیم اُن کی وفات کے

بعد آئندہ نسلوں میں جاری رہے گی۔ ان آیات میں آئندہ ہونے والے نبیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیونکہ نبوّت پر مُہر لگ چکی ہے۔

انہوں نے پھر اپنی بروزی نبوت کا دعویٰ دہرایا اور لکّھا:۔

" اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا، پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی"

صفحہ ۱۶)۔

یہ واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اس ادّعا کہ وہ خود محمدؐ اور احمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ گرامی) ہیں، کے نتائج سخت اضطراب کا باعث بنے۔ مرزا صاحب کے ساتھی رسولِ کریم کے صحابہ بن گئے۔ مسلمانوں کے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ میں محمد سے مُراد مرزا صاحب ہو گئے۔ جہاں بھی لفظ محمد پڑھا یا لکّھا جائے اس سے مراد مرزا صاحب ہو گئے۔

اب خود اسی تصوّر کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالقادر محمود کی کتاب " الفلسفة الصوفيّة في الاسلام" کے صفحات ۵ تا ۱۱ میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ظلّی اور بروزی کے معانی ہندوؤں کے ہاں حلول اور تناسخ کے تصوّرات سے بہت زیادہ مُشابہ ہیں۔ مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ بروز کا معنی اوتار ہے۔ اپنے لیکچر سیالکوٹ مؤرخہ ۲، نومبر ۱۹۰۴ء (صفحہ ۲۳) میں کہتے ہیں:۔

" آخر یہ بھی واضح ہو کہ میرا اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف

سے آنا محض مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں
اور ہندوؤں اور عیسائیوں تینوں قوموں کی اصلاح منظور ہے"
"اور جیسا کہ خدا نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مسیح موعود
کر کے بھیجا ہے، ایسا ہی میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار
کے ہوں .... اب یہ واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا
کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک ایسا کامل
انسان تھا .... اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی
تھا ...... خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا
بروز یعنی اوتار پیدا کرے"

ضمیمہ رسالہ جہاد (مطبوعہ ۱۹۰۰ء) میں انہوں نے لکھا :-

سو اس وقت خدا نے مجھے ...... حضرت عیسیٰ مسیح کا
اوتار کر کے بھیجا ایسا ہی اس نے ...... میرا نام محمدؐ اور
احمدؐ رکھا اور مجھے توحید پھیلانے کے لیے تمام خُو اور بُو اور
رنگ اور رُوپ اور جامۂ محمدی پہنا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اوتار
بنا دیا۔ سو میں ان معنوں کر کے عیسیٰ مسیح بھی ہوں اور
محمدؐ مہدی بھی .... اور یہ وہ طریق ظہور ہے جس کو اسلامی
اصطلاح میں بروز کہتے ہیں (صفحہ ۶، ۷)۔

اسلام کی صاف و شفاف شریعت میں حلول یا تناسخ کا کوئی تصوّر نہیں پایا
جاتا۔ ان اصطلاحات کا رواج ایسے لوگوں مثلاً مزدک اور لیمان کی جانب

سے ہوا جو تناسخ کے قائل تھے۔ اسی طرح اسلام میں ظلّیت کا بھی کوئی تصوّر تک موجود نہیں۔ (خاتم النبیّین مولانا انور شاہ کشمیری صفحہ ۲۱۰)

مولانا محمّد یوسف بنوری "موقف الامۃ الاسلامیۃ" میں لکھتے ہیں کہ مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ظلّیت اور بروز کا سارا نظریہ ہندو تصوّر ہے اور اسلام میں ایسا کوئی تصوّر موجود نہیں۔ نیز عبدالقادر بغدادی (م ۴۲۹ھ) نے بھی کہا ہے کہ حلول کی دلیل جھوٹی اور بیکار ہے (اصول الدّین صفحہ ۷۲)۔

مجدّد الف ثانی، جن کی تحریروں پر مرزا صاحب اعتماد کرتے ہیں بھی نبوّت میں ظلّ کے تصوّر کی تردید کرتے ہوئے اپنے مکتوب نمبر ۳۰۱ میں کہتے ہیں کہ نبوّت قُربِ الٰہی سے عبارت ہے۔ اس میں ظلّیت کا کوئی اشارہ یا اشتباہ تک موجود نہیں ہوتا۔

درخواست دہندگان کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ قادیانی اُمّتِ مسلمہ کا حصّہ ہیں اور محض عقیدے کے اختلافات کی بنار پر اُمّت کے ایک رُکن کو اس سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کی تعریف کی رُو سے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا عقیدہ رکھے، وہ مسلمان اور اُمّتِ مسلمہ کا رُکن ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت نمبر ۹۴/۴ کا حوالہ دیا کہ "جو شخص مسلمان ایسا سلام (السّلامُ علیکم یعنی تم پر سلامتی ہو) کہے اُسے غیر مُسلم نہیں کہنا چاہیئے"۔ نیز فقہار کی ان آرار کا حوالہ دیا کہ جو لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھے اُسے (جہاد میں) قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس

کے علاوہ چند احادیث پیش کیں جن پر ان آرار کی بنیاد ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اُمّت یا اُمّت مسلمہ کیا چیز ہے ؟

لفظ اُمّت (جمع اُمَم) مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً لوگ یا افراد (آیت نمبر ۴۳/۲۱۱) طریقہ یا اصول (آیت ۴۳/۲۳) مُدّت (آیت نمبر ۱۱/۷) ، راہنما یا قائد (آیت ۱۶/۱۲) ، قوم (آیت ۱۶/۳۶) ایک ہی نبی یا ایک ہی دین کے پیرو کار (آیات ۲/۲۱۳ اور ۲۱/۹۲) (دیکھئے غریب القرآن فی لغۃ القرآن از علامہ شیرازی صفحہ ۱۸ ، ۱۹ ، نیز عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۱۹۸) ۔

امام راغب کہتے ہیں کہ اُمّت ہر ایسی جماعت ہے جو کسی امر میں مشترک ہو (جو نظریے ، عقیدے اور سماجی ، ثقافتی ، معاشی ، سیاسی اور دینی خواہشات کے اشتراک کو شامل ہے) ، المفردات فی غریب القرآن صفحہ ۲۳) ۔

اس کی واضح مثال قرآن کریم کی درج ذیل آیت ہے :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ	اور کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو
وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ	اور کوئی پرندہ نہیں جو دونوں بازوؤں
اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا	سے اڑتا ہو مگر یہ سب تمہاری ہی
فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ	طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں
مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ	کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر یہ سب اپنے
يُحْشَرُوْنَ ۔ (الانعام آیت ۳۸)	پروردگار کے حضور اکٹھے کیئے جائیں گے

اس آیت میں جانوروں کی ہر اس نوع کو شامل کیا گیا ہے جو ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً مکڑی اپنا جالا بنتی ہے اور سفید مور اپنا گھونسلا تنکوں

سے بناتے ہیں۔

قرآن کریم کی رُو سے سب انسان ایک ہی امت تھے (آیت ۲/۲۱۳) پھر بعد میں وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور اُمّت کے تعیّن کے لئے جماعتی رشتہ گروہی رشتہ یا دینی رشتہ ہی فیصلہ کن عنصر قرار پائے۔

آیت نمبر ۵/۴۸ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

(اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دیتا)

جماعت کی وحدت سے مراد ایمان میں متحد ہونا ہے (ایضاً صفحہ ۲۳)۔

بعض اوقات لفظ اُمّت سے مراد ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی جانب کسی پیغمبر کی بعثت ہوتی ہے (دیکھئے آیات ۱۰/۴۷، ۲۳/۴۴، ۳۵/۲۴ اور ۴۰/۵) اور کبھی اس کا اطلاق ایسے لوگوں پر ہوتا ہے جو کسی ایک نبی پر ایمان رکھتے ہوں (آیات ۵/۴۸، ۱۶/۹۳، ۲۲/۶۷ اور ۴۲/۲)۔ اوّل الذکر کو اُمَّةُ الدَّعْوَة اور دوسری کو اُمَّۃُ الاِجَابَہ کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے کشاف اصطلاحات الفنون تھانوی حصہ اوّل صفحہ ۹۱)۔

قرآن کریم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کو بہترین اُمّت قرار دیا گیا ہے۔ آیت ۳/۱۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

(تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے کھڑا کیا گیا ہے)

اور پھر اسی اُمّت کی صفات کا بیان ہوا ہے :۔

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ

(تم بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

اور پھر یہی آیت بہترین امّت اور اہلِ کتاب کے مابین فرق کو واضح کرتی ہے:۔

(وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ. (سورہ آل عمران آیت ۱۱۰)

(اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا. ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں.)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فنی طور پر امّت کے لفظ کو دونوں معنی یعنی آپؐ پر ایمان رکھنے والوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی جماعت اور صرف آپؐ پر ایمان رکھنے والوں کی جماعت کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ آپؐ نے یہ لفظ ان دونوں معانی کے لئے میثاق مدینہ' میں استعمال فرمایا ہے۔ میثاق کا دیباچہ یوں ہے:۔

هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ	یہ نوشتہ ہے محمد نبی کی طرف سے قریش
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ	یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان
مِنْ قُرَيْشٍ يَثْرِبَ وَ مَنْ	اور ان لوگوں کے درمیان جو ان کے
تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَ	تابع ہوں اور ان میں شامل ہو جائیں
جَاهَدَ مَعَهُمْ فَاِنَّهُمْ	اور ان کے ہمراہ جہاد میں شامل ہوں.
اُمَّةٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ.	پس وہ دوسرے لوگوں کے مقابل میں ایک اُمّت ہیں.

اسی میثاق کی دفعہ ۲۶ میں یہ الفاظ ہیں:۔

اِنَّ یَہُوْدَ بَنِیْ عوفٍ اُمَّۃٌ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک اُمّت ہیں

(سیرت ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۵۵۴، اردو ترجمہ)۔ جو لوگ معاہدے میں فریق ہیں وہ گروہ ہیں یعنی اُن میں سے ہر ایک، ایک اُمّت ہیں۔

اور وہ یہودی جو بعد میں اس میثاق کے فریق بن گئے۔ انہیں مسلمانوں کے ساتھ شامل کر کے ایک ہی اُمّت قرار دیا گیا۔ کیونکہ میثاق میں مذکورہ مقاصد اور خواہشات، تمام معاہدین کے لئے یکساں ہیں۔ اور ایک ہی دین کی اتباع کی بنا پر مسلمان ایک ہی اُمّت ہیں۔ یوں یہ میثاق، سیاسی معنوں میں، ایک ایسی قوم کی بنیاد رکھتا ہے جو مسلم اکثریت اور غیر مسلم اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ بایں ہمہ یہ مسلمانوں کے الگ اُمّت، ہونے کی منفرد خصوصیت پر بھی اصرار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے مکہ میں کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے دعا کی تھی :۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ۔

(سورہ البقرہ آیت ۱۲۸)

"اے ہمارے رب ہم دونوں کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریّت سے بھی تو اپنی ایک فرمانبردار اُمّت بنا۔"

اسلام کا ایک معنی فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔ "مُسلم" کا معنی "فرمانبردار" ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جو لوگ فرمانبرداری کرتے ہیں وہ ایک اُمّت شمار ہوتے ہیں یا مسلمان اپنے اسلام (فرمانبرداری) کی بدولت ایک ہی قوم ہوں

گے۔ یوں اسلام کا مشترک رشتہ انہیں ایک اُمّت میں پرو دے گا کیونکہ اصول یہ ہے کہ مشترکہ خواہشات اور نظریات کے حامل اشخاص ایک قوم ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت آیات نمبر ۳/۱۰۴ اور ۷/۱۸۱ سے، جو درج ذیل ہیں، واضح ہوتی ہے :-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ	اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک ایسا
يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ	گروہ ہو جو نیکی کی دعوت دے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	اور معروف کا حکم کرے اور برائی
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	سے روکے اور یہی لوگ فلاح
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ	پانے والے ہیں۔
(سورہ آل عمران آیت ۱۰۴)	
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ	اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں
يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ	ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی رہا ہے جو
يَعْدِلُوْنَ ہ	حق کے مطابق رہنمائی کرتے اور اسی کے
(سورہ الاعراف آیت ۱۸۱)	مطابق فیصلے کرتے ہیں۔

اسلام (فرمانبرداری) صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کا دین یا نظامِ حیات نہیں ہے۔ تمام انبیاء اسلام کی تبلیغ کرتے رہے کیونکہ ان پر بھی یہی وحی اور نبوت نازل ہوتی تھی (آیت نمبر ۴/۱۶۳)۔ ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ عیسائی بلکہ وہ مسلم تھا۔ (آیت ۳/۶۶)۔ وہ اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو عطا ہوا وہ وہی دینِ قیّم ہے جو ابراہیم کا دین ہے۔ (آیت ۶/۱۶۲)۔ تمام انبیاء نے لوگوں کو یہی دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اللہ کے احکام کی اطاعت کریں (آیات

۷/۵۹، ۷/۶۲، اور ۷/۸۵) آیات ۲۱/۹۲ اور ۲۳/۵۲ میں انبیاء سابقین کا تذکرہ کرنے کے بعد خصوصیت سے ارشاد ہوا:۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ ہے تم سب کا دین، ایک ہی دین۔
واضح رہے کہ قرطبی نے کہا ہے الاُمَّةُ هُنَا الدِّيْنُ (یہاں لفظ اُمّت سے مراد دین ہے)، تاہم اس کا معنی جماعت بھی ہو سکتا ہے۔

اسلام میں ایمان کی بنیادی شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مومن لازماً اللہ تعالیٰ پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تک تمام انبیاء پر ایمان رکھے۔ اور آپؐ کو آخری نبی اور رسول تسلیم کرے اور یہ کہ اُن کے بعد روز قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہ آئے گا، اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں، فرشتوں اور آخرت پر ایمان رکھے۔

اگلی شرط اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ پھر روزے رکھنا، حج کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ ایمان کے اجزاء ہر دین میں یکساں رہے ہیں لیکن نماز اور روزے کا طریقہ، زکوٰۃ کی جزئیات اور حج کے احکام مسلمانوں کو دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اسی طرح عبادت گاہ (مسجد) اور مومنین کو نمازوں کے لئے بلانے کا طریقہ بھی دوسرے ادیان سے الگ ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی بہترین جماعت کہا گیا ہے جسے انسانیت کی خاطر کھڑا کیا گیا ہے (آیت ۳/۱۱۰) وہ معروف کا حکم کرتے اور منکر سے روکتے ہیں "تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"۔ (آیات ۳/۱۰۴ اور ۳/۱۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد پوری اُمّت پر فرض ہے کہ وہ دین کے مقاصد کو آگے بڑھائیں (آیت ۳/۱۴۴) اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ

ثابت قدم رہیں اور متحد رہیں کیونکہ استقلال اور ثابت قدمی میں انہیں دوسروں پر بازی لے جانا ہے (آیت نمبر ۳/۲۰۰) اور یہ مسلمانوں کا طریقہ یا شیوہ نہیں کہ وہ ہدایتِ الٰہی واضح ہو چکنے کے بعد اللہ کے رسول کی مخالفت کریں (آیت ۴/۱۱۵)۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ انہیں لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ آیت نمبر ۴/۵۹ میں اُمّت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ برسرِ اقتدار اشخاص (جن سے مراد مرکزی ہیئتِ حاکمہ اور اس کے ماتحت عُمّال ہیں) کی اطاعت کریں۔ ان فرامین سے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ یہ اُمّت مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کا پرچم بلند رکھیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے بالکل متحد رہیں۔

نسل، رنگ اور وطن سے قطع نظر تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (آیت ۴۹/۱۰)۔ ایک کا قتل سب کا قتل ہے اور ایک کا موت سے بچانا سب کا بچانا ہے۔ اُمّت مسلمہ کو حق و عدل پر قائم رہنے اور اس پر جمے رہنے اور اسے دنیا میں قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے (آیت ۴/۱۳۵)۔ انسانیّت کی فلاح اور بہتری کی خاطر انہیں معتدل اور اُمّتِ وسط بنایا گیا ہے۔ (آیت ۳/۱۴۳)۔

اس طرح پوری اُمّت مسلمہ خدائے واحد کی پرستش کرتی ہے' اور یہ ایک ہی آخری نبی اور رسول کی اُمّت ہے' اور دنیا کے ہر ہر گوشے سے ایک ہی مشترکہ مرکز "کعبہ" کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتی ہے۔ مسلمان اُمّت کے تمام افراد کو ایک دوسرے کا بھائی گردانتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں پر کسی مصیبت یا پریشانی کے آنے سے دکھ محسوس کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ اور خواہشات یکساں ہیں۔ یہ ہے ایک اُمّت کا حقیقی معیار!

مسلمان دیگر تمام مذاہب کے لئے بہت زیادہ روادار ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے ایمان پر کسی حملے اور اُمّت کی بیخ کنی اور تباہی کو ہرگز برداشت نہیں کرتے۔ انہیں یہ دونوں نہایت عزیز ہیں۔

مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے اجتماعی سالمیت اور یکجہتی کی اساس، عوامل اور ساخت پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یکجہتی نامیاتی اور میکانی ہوتی ہے۔ نامیاتی یکجہتی سے مراد ایسی سالمیت ہوگی جس کے نتیجے میں عمل کی تقسیم ہوتی ہے جبکہ میکانی یکجہتی سوسائٹی یا جماعت کی ایسی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں تمام افراد میں بنیادی خواص مشترک ہوتے ہیں اور اسی اشتراک کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے سے ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔

انہوں نے استدلال کیا کہ اُمّت مسلمہ کے لئے میکانی یکجہتی کا وصف موزوں ہے۔ اور O.G. BURN اور NIMKOOF کی سوشیالوجی کی ایک درسی کتاب سے یہ اقتباس پیش کیا :۔

"میکانی سالمیت سے عوامی معاشرے کی بنیادی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے، تنہائی، ثقافتی یگانگت، باہم مربوط مفاہمتوں کے ایک ہی جال کا روایتی نظام اور سب سے غالب سماجی تعلقات میں ذاتی انسانی کردار اور دوسرے درجے پر موروثی اداروں کی اہمیت اور لادینی طبقات کے بالمقابل مقدس اُمور کی اضافی اہمیت (ٹیوسک)، نامیاتی تنظیم یا تشکیل سے مخالف خصوصیات کے اظہار کا میلان ہوتا ہے" (مرڈا)

یہ اقتباس سماجی ڈھانچے اور اس کی تہذیبی طرزِ تشکیل پر روشنی ڈالتا ہے۔

ابن خلدون نے بڑی تفصیل کے ساتھ ایک ہی نسل کے قبائل اور خونی رشتوں میں مربوط حلیفوں اور اتحادیوں میں گروہی عصبیت پر بحث کی ہے۔ یہ شدید عصبیت اس بدوی زندگی کا نتیجہ ہے جو انتہائی جرأت، دلیری اور شجاعت کو جنم دیتی ہے (مقدمہ انگریزی ترجمہ جلد اول صفحہ ۲۶۴) اس نے اسی عصبیت کے بل بوتے پر ملکی اقتدار کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اس بارے میں دینی وحدت و یگانگت اہم ترین نقطہ اور مؤثر عنصر شمار ہوتی ہے۔ اس نے لکھا ہے :۔

"اس کا راز یہ ہے کہ عرب چونکہ وحشی الخلق ہیں اور درشتی و خودداری، بلند ہمتی اور حکمرانی کا چسکا بڑے پیمانہ پر اپنے اندر رکھتے ہیں، اس لئے یہ ایک دوسرے کا محکوم بننا بڑی مشکل سے گوارا کرتے ہیں۔ یہ اپنی خواہشات میں کسی خاص نقطہ پر بڑی مشکل سے جمع ہوتے ہیں۔ اب جب نبوت یا ولایت کی دعوت ان میں پھیلتی ہے تو داعی چونکہ انہیں میں سے ہوتا ہے تو ان کی نخوت اور اکڑ کافور ہو جاتی ہے اور یہ بہت آسانی سے رام ہو کر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ دین خود ان کی مزاجی درشتی اور اکڑ، حسد و خود پسندی کے مادہ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ ان میں نبی یا ولی ان کو احکام خداوندی پر قائم رکھنے اور ناپسندیدہ اخلاق و عادات کو مٹا کر پسندیدہ صفات وخصائل ان کی جگہ پیدا کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں اور اظہار حق کے لئے ان سب کو ایک جی اور ایک دل کر دیتے ہیں۔ جب یہ اتحاد و اتفاق کی ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں تو ملکوں پر چھا جاتے ہیں اور ملکوں کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں سنبھال لیتے ہیں۔ عرب گو درشت خو اور درشت مزاج ہوتے ہیں مگر تمام قوموں سے جلد تر حق و ہدایت قبول کر لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کی طبیعتیں کج ملکات اور

مذموم عادات سے پاک ہوتی ہیں۔ وحشی الطبع ہونے کے باوجود فطرتِ سلیمہ پر قائم ہیں اور بھلائی کو تسلیم کر لینے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں اور قبیح و نازیبا عادات اور ناشائستہ جذبات قبول کرنے سے بہت دور اور بہت حد تک محفوظ ہوتے ہیں۔ اور مذکورہ بالا حدیث "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے" کا مصداق ہوتے ہیں۔"

اس امر کا انکار ناممکن ہے کہ رنگ، علاقے، نسل، زبان اور تہذیب کے امتیازات سے قطع نظر جماعت میں تعاون، رفاقت اور اخوت اور نظریاتی وحدت پیدا کرنے کا قوی تر محرک ایمان ہے۔ نظریاتی اساس سے پر جوش جذباتی وابستگی اور گہرا ارتباط ہی ان برادرانہ جذبات کی آبیاری کرتے ہیں جن کی مثالیں تاریخ اسلام سے پیش کرنا مشکل نہیں۔ سندھ کے راجہ داہر پر حملہ چند مسلمانوں کی امداد کی فریاد پر ہوا تھا چند مسلمان بھائیوں کی فریاد پر لبیک کہتے ہوئے مسلم افواج نے سخت مشکلات کے باوجود اتنا طویل فاصلہ طے کر لیا۔

تاہم جدید دَور کی قوم اور ایک دینی اُمّت کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ قوم اشخاص کے ایک مجموعے کا نام ہے۔ لیکن اس مجموعے کا اساسی عامل اور قوتِ محرّکہ ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ ایسے مجموعے کے عوامل اور اوصاف کئی ہوتے ہیں لیکن افراد اور گروہوں کا ذاتی مفاد ان میں سے ایک بلکہ بڑا معیار ہوتا ہے۔ لیکن ایک دینی اُمّت کی تشکیل میں ایسا کوئی عامل موجود نہیں ہوتا۔ اُمّت مسلمہ کی تشکیل و تقویت میں معاون عوامل میں اسلام کی انسانیت نواز خصوصیات، وطن، رنگ، نسل، زبان یا تہذیب کے فرق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہر امیر و غریب، آقا و غلام، مرد و عورت کی مساوات کی تاکید، اخوّت اور انفرادی آزادیوں کی ضمانت، شامل ہیں۔

افواج اسلام انہی اوصاف کی علمبردار تھیں اور انہوں نے بردباری، رواداری کی سپرٹ اور علم و تحقیق کی محبت کو پھیلایا، اگرچہ اپنے سیاسی ضعف کے ادوار میں وہ خود ظلم اور مذہبی تشدّد کا شکار ہوئے۔

ایک اُمّت کے افراد میں انجذاب کے دیگر عوامل میں اپنے ورثے سے محبت اور اپنی تاریخ پر افتخار بھی شامل ہیں۔

یہ تمام عوامل دین کی تعلیمات اور اسلام کے قوّتِ محرّکہ ہونے کے امتیازی وصف کا نتیجہ ہیں۔ لیکن سب سے بڑا عنصر مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام اور محبت ہے کیونکہ اُمّت انہی کی بدولت ان تمام نعمتوں سے بہرہ یاب ہوئی۔ اس اکرام و محبت کی گہرائی کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیات کی تمام تفصیلات و جزئیات محفوظ کرتے ہوئے اُن کی سیرت پر ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں۔ مسلمانوں پر قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کی اطاعت فرض ہے۔ اسی لئے انہوں نے آپ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام واقعات، خواہ وہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں، کو محفوظ اور مدوّن کر دیا ہے۔ آپ کی اطاعت کرنا آپ سے محبّت کے ہم معنی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت سے برتر اُن کی ذات سے جذباتی وابستگی اور والہانہ محبّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے گہری محبّت جیسا کہ علّامہ اقبال نے واضح کر دیا ہے کی بدولت ختمِ نبوّت کا عقیدہ ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے اور ختمِ نبوّت کا یہی عقیدہ اُمّت کی سالمیت کا اہم ترین عنصر ہے۔

اُمّت میں اخوّت اور سالمیت کے شعور سے ہی اس کے استحکام کو فروغ ملتا ہے

اور یہ استحکام جذباتی جوش و ولولے کے ساتھ شامل ہو کر، انتشار کے تمام محرکات کے خلاف مزاحمت منظم کرتا ہے۔ اِسی لئے اُمّت نے نبوّت کے تمام دعووں کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی ہے تاکہ چشمۂ ایمان صافی رہے، اور اسی طرح اسلام اور ختم نبوّت کے باہمی تعلق میں کسی بھی مداخلت کو ناگوار قرار دیا ہے۔

قادیانی اُمّتِ مسلمہ کا حصّہ نہیں ہیں۔ اس بات کو خود اُن کا اپنا طرزِ عمل خوب واضح کرتا ہے۔ اُن کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں، وہ ایک الگ امّت ہیں۔ یہ متناقض ہے کہ انہوں نے امّت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کو اس اُمّت سے خارج قرار دیا ہے۔ مسلمان انہیں امّتِ مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس امّت سے خارج سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امّت میں سے نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال کہ امّت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بناء پر حل نہ ہو سکا۔ لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لئے ادارے موجود ہیں اور اس لئے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ مقننہ اور وفاقی شرعی عدالت اسے طے کرنے کے لئے بااختیار ہیں۔

قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین یہ کشمکش اور قطعی علیٰحدگی خود مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں کا نتیجہ ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی کتاب انوار خلافت میں اس نکتے پر مفصّل گفتگو کی ہے اور استدلال کو واضح کیا ہے کہ کیوں قادیانی غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے اور غیر احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھ سکتے اور اپنی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے نہیں کر سکتے۔ بنیادی وجہ یہ

ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک غیر احمدی کافر ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ " لکھنؤ میں ہم ایک آدمی سے ملے جو بڑا عالم ہے۔ اس نے شیخ یعقوب علی ، جو ہمارے ہمراہ تھے سے کہا کہ آپ کے دشمن یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ آپ غیر احمدی لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ آپ ایسا وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہوں۔ میں نے ان کو کہا آپ کہہ دیں کہ واقع میں ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران سا رہ گیا۔"

پھر اس نے دین اور دنیا کا فرق کرتے ہوئے قادیانیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دینی امور میں الگ ہو جایا کریں۔

(انوار خلافت صفحہ ۹۰ـ۹۳)

کلمۃ الفصل میں کہا گیا ہے :-

" حضرت مسیح موعودؑ نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ

عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے۔" (صفحہ ۱۶۹)

آئینہ صداقت میں مرزا بشیرالدین محمود، مرزا صاحب کی ایک مزعومہ وحی کا ذکر کرتا ہے کہ "جو شخص مسیح موعود کے ایک لفظ کو بھی جھوٹا خیال کرے گا وہ خدا کے دربار میں مردود ٹھہرے گا۔" پھر وہ احمدیوں پر زور دیتا ہے کہ "وہ اپنے امتیازی نشانات کو نہ چھوڑیں کہ وہ ایک سچے نبی کو مانتے ہیں اور ان کے مخالف اُسے نہیں مانتے۔" مرزا صاحب کے زمانے میں ایک تجویز پیش کی گئی کہ احمدی اور غیر احمدی دونوں مل کر (اسلام کی) تبلیغ کریں۔ لیکن مرزا صاحب نے پوچھا "تم کس اسلام کی تبلیغ کرو گے؟ کیا تم خدا کی نشانیوں اور نعمتوں کو چھپاؤ گے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں؟"

قادیانیوں کے اس طرز عمل میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ عالمی مظہر ہے کہ ایک دین کے ماننے والے کسی بھی دوسرے دین کے پیروؤں کو کافر، منکر یا اپنے دین کے دائرے سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی بات یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں، ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کے ہاں بھی ہے۔ یہ امر نہ صرف مذہبی گروہوں کے ہاں درست ہے بلکہ لادینی نظریاتی گروہوں مثلاً کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے ہاں بھی موجود ہے۔

مختلف انبیاء کی اُمم (اُمّت کی جمع) کے افراد میں عموماً مسلّمہ اصول یہ ہے کہ جو شخص بھی ایک امّت کے نبی کو نہیں مانتا وہ اس امّت سے خارج یا اس جماعت سے باہر ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوّت کی بناء پر جو ان پر ایمان نہیں لاتا یا انہیں جھوٹا نبی یا کذّاب سمجھتا ہے، وہ مرزا صاحب کی امّت یا جماعت جو احمدیوں کے نام سے معروف ہیں، میں سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔

نمازوں اور نکاح کے بارے میں ہدایات خود مرزا صاحب کی ہیں نہ کہ کسی جانشین کی۔ انہوں نے خاص دعویٰ نبوّت سے پہلے لکھا تھا "جو شخص میری پیروی نہیں کرتا اور ہماری بیعت نہیں یا ہمارا مخالف ہے وہ خدا کا نافرمان اور جہنمی ہے"

(تذکرہ صفحہ ۳۴۲—۳۴۳، اقتباس از خط مرزا صاحب مورخہ ۱۲، جون ۱۸۹۹ء بنام بابو الٰہی بخش)۔

اس حقیقت کے باوجود کہ مرزا صاحب اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ مسیح موعود پر اعتقاد کرنا ایمان کا جزو نہیں، پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹ اور ۱۸۰ پر وہ کفر کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود

اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے (مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہے) اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اور اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا اور جس پر خدا کے نزدیک اتمام حجت نہیں ہوا اور وہ مکذب اور منکر ہے تو گو شریعت نے اس کا نام بھی کافر ہی رکھا ہے اور ہم بھی اس کو باتباع شریعت کافر کے نام سے ہی پکارتے ہیں۔"

ایک سوال کے جواب میں مرزا صاحب نے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۳ پر) کہا:-

"جب کہ میں نے ایک مکذّب کے نزدیک خدا پر افترا کیا اس صورت میں نہ میں صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلا شبہ وہ کفر اس پر (یعنی مرزا صاحب کو جھٹلانے والے پر) ہوگا۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور

رسول کو بھی نہیں مانتا۔"

مسٹر مجیب الرّحمٰن نے مسٹر ریاض الحسن گیلانی کے ان دلائل پر یہ اعتراض کیا اور کہا کہ غیر احمدیوں کے کفر کا مذکورہ بالا نظریہ صرف ۱۹۲۳ء تک رہا تھا اور اس بارے کے تمام حوالوں کا تعلق اسی مدت سے ہے۔ انہوں نے گذارش کی کہ مرزا بشیر احمد نہ احمدیوں کا امام تھا اور نہ خلیفہ۔ وہ صرف ان کا ترجمان تھا۔ لیکن مرزا بشیرالدین محمود نے منیر انکوائری رپورٹ کے سامنے واضح کیا تھا کہ اس نے غیر احمدیوں کو ان معنوں میں کافر قرار نہیں دیا تھا کہ وہ اُمّت مسلمہ سے خارج ہیں، مفہوم یہ تھا کہ ان کا کفر کفرِ کبیر نہ تھا۔ سخت خطرے کے ایسے اوقات میں جب کہ پاکستان کی اُمّت مسلمہ کا اشتعال اپنے عروج پر تھا، مرزا بشیرالدّین محمود کی اس وضاحت کی حیثیت کچھ پیچھے ہٹنے کی اُس پالیسی سے زیادہ نہ تھی جسے، جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے، خود مرزا صاحب کئی بار اختیار کر چکے تھے۔ مرزا صاحب نے خود کہا کہ ایسا شخص کافر ہے۔ کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کا مُنکر گردانا جائے گا۔ تو ایسے شخص کے اُمت مسلمہ سے خارج ہونے کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو گا۔

مرزا صاحب نے اپنے مسلمان مخالفین کو کُفر کے قائدین قرار دیا۔

(تذکرہ صفحات ۱۱۱، ۳۷۳)

مرزا صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ مارچ ۱۹۰۶ء بنام ڈاکٹر عبدالحکیم، میں لکھا "خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری دعوت

پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے"۔ (تذکرہ صفحہ ۶۰۰)۔

مرزا بشیرالدین محمود نے غیر احمدیوں کو عیسائیوں کے برابر قرار دیا۔ شیخ نور محمد نے مرزا صاحب سے درخواست کی کہ وہ جماعت (جماعت احمدیہ) سے اس کا استعفا قبول کر لیں۔ جس پر انہوں نے جواب دیا "شیخ نور محمد کو بتا دو کہ وہ صرف جماعت سے علیحٰدہ نہیں ہوا بلکہ اسلام سے بھی نکل گیا ہے" (سیرۃ المہدی جلد سوم صفحہ ۹۴)

یہ امر بہت معروف ہے کہ پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ اخبار "زمیندار" مورخہ ۸ فروری ۱۹۵۰ء کے مطابق جامع مسجد ایبٹ آباد کے خطیب مولانا محمد اسحاق نے سر ظفراللہ سے نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ قائد اعظم کو صرف ایک سیاسی لیڈر سمجھتے ہیں۔ ان سے استفسار کیا گیا کہ کیا وہ بھی مرزا صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں؟ "حکومت کے وزیر ہوتے ہوئے بھی"؟ سر ظفراللہ نے جواب دیا آپ مجھے ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم یا مسلمانوں کی حکومت کا کافر ملازم سمجھ لیں۔

مسٹر مجیب الرحمٰن، سر ظفراللہ کے اس مؤقف کی تردید نہ کر سکے۔ لہٰذا یہ امر کسی قسم کے شک و شبہے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے کہ، جیسا کہ سر ظفراللہ نے پیش کر دیا ہے، یا تو پاکستان میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت کافر ہے یا قادیانی کافر ہیں۔ جس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ دونوں ہرگز نہیں مل سکتے، اور

نہ ہی ایک اُمّت کے افراد ہو سکتے ہیں۔ دونوں میں وحدت کا کوئی نکتہ موجود نہیں، کیونکہ مسلمان ختمِ نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے برعکس قادیانی مرزا صاحب کو ایک نیا نبی مانتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک عظیم صاحبِ بصیرت شخصیت نے قادیانیوں کو اُمّتِ مسلمہ کی سالمیّت کے لیے خطرہ اور انتشار کے علمبردار قرار دیا تھا انہوں نے کہا تھا " اس (اُمّتِ مسلمہ) کی سالمیّت صرف عقیدۂ ختمِ نبوّت کی رہینِ منّت ہے" (THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL صفحہ ۲۴۹)۔ علّامہ اقبال نے مزید کہا :-

"آخر کار، اگر جماعت کی وحدت و سالمیّت ہی کو خطرہ لاحق ہو، تو اس کے لیے صرف ایک چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ وہ انتشار انگیز قوتوں کے خلاف اپنا دفاع کرے۔

اور اپنے دفاع کے کیا طریقے ہوں؟ مدلّل تحریریں اور ایسے شخص کے دعوؤں کا ابطال جو اپنی اصل جماعت کی نگاہوں میں "مذہبی مہم جُو" ہو۔ تو کیا یہ معقولیّت ہے کہ جس اصل جماعت کی سالمیّت خطرے میں ہو اسے برداشت کی تلقین کی جائے اور باغی ٹولی کو تحفّظ کے ساتھ اپنا پروپیگنڈہ جاری رکھنے کی اجازت دی جائے خواہ یہ پروپیگنڈہ سخت غلیظ بھی ہو" (ایضاً صفحہ ۲۵۲)

برطانوی سامراج اور استعمار کی حکومت سے مرزا صاحب کی محبت اور وفاداری ایک بدیہی امر ہے۔ انہوں نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں کم از کم کئی صفحات

انگریزی سرکار کی تعریف و توصیف کے لیے مخصوص کئے ہیں اور اُن کے جانشینوں کا طرزِ عمل بھی یہی رہا ہے۔ ذیل میں ایسی تحریروں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

(ا) "بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا ؟

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے سو میرا مذہب جس کو مَیں بار بار ظاہر کرتا ہُوں یہی ہے کہ اِسلام کے دو حصّے ہیں ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کرے دوسری اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔" (شہادۃ القرآن مطبوعہ ۱۸۹۳ صفحہ ۶۹)

(ب) " اور اَب اہلِ عقل جب ایک طرف دینی حمایت کے مضمون میری تحریروں میں پاتے ہیں اور دوسری طرف میری یہ نصیحتیں سنتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی اور اطاعت کرنی چاہیئے تو وُہ میرے پر کوئی بدظنی نہیں کر سکتے اور کیونکر کریں۔ یہ ایک واقعی امر ہے کہ مسلمانوں کو خدا اور رسول کا حکم ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت ہوں وفاداری سے اس کی اطاعت کریں میں نے اپنی کتابوں میں یہ شرعی احکام مفصل بیان کر دیئے ہیں اب گورنمنٹ خود

فرما سکتی ہے کہ جس حالت میں میرا باپ گورنمنٹ کا ایسا سچا خیر خواہ تھا اور میرا بھائی بھی اسی کے قدم پر چلا تھا اور میں بھی انیس برس سے یہی خدمت اپنے قلم کے ذریعے سے بجا لاتا ہوں" (کشف الغطاء مطبوعہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۷)

(ج) "اور جیسا کہ میں نے پہلے اس سے شرائط بیعت کی دفعہ چہارم میں سمجھایا ہے سرکار انگریزی کی سچی خیر خواہی اور بنی نوع کی سچی ہمدردی کریں اور اشتعال دینے والے طریقوں سے اجتناب رکھیں اور پرہیزگار اور صالح اور بے شر انسان بن کر پاک زندگی کا نمونہ دکھائیں" (کتاب البریہ مطبوعہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۲)

(د) "ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا کہ اب اگر احمدیوں کو کوئی تکلیف ہوئی تو مسلمانوں کے جتنے لیڈر ہیں ان سب کو نئے قانون کے تحت ملک بدر کر دیا جائے گا۔ ایسا حکم صرف وہی شخص صادر کرتا ہے جس کی ہمدردیاں پوری جماعت کو شامل ہوں تمہارے مالا باری بھائیوں سے اس حکومت کا یہ تازہ سلوک ہے اور جو کسی کے بھائی سے ہمدردی کرے تو وہ اس سے بھی کرتا ہے سو تمہیں اس حکومت کا شکر گذار ہونا چاہیئے کیونکہ مالا بار احمدی ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارا ایک مبلغ مارشس گیا تھا۔ غیر احمدیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ جہاں چاہے اُسے تقریر نہ کرنے دی جائے۔ اس نے حکومت سے سرکاری ہال (کے استعمال) کی اجازت مانگی۔ گورنر نے اُسے اس ہال میں ہفتے میں تین دن خطاب کرنے کی اجازت دے

دی۔ یوں اس نے آدھا ہفتہ ہمارے مبلغ کو دے دیا اور آدھا ہفتہ اپنے لیے رکھ لیا" (انوار خلافت از مرزا بشیر الدین محمود احمد صفحہ ۹۶)

(ھ) کتاب البریّہ کے صفحہ ۷ اور ۸ پر ان کتابوں کے نام، تاریخ طباعت اور صفحات کے نمبر درج کئے گئے ہیں جن میں مرزا صاحب نے برطانوی حکومت کی مدح و ستائش کی۔ انہوں نے اپنی ۲۴ کتابوں اور رسالوں کا حوالہ دیا ہے جن میں سرکارِ برطانیہ کی تعریف و توصیف کے پُل باندھے ہیں ان کی وفات سے کم از کم گیارہ سال قبل ایسے صفحات کی تعداد کئی درجنوں تک پہنچتی ہے۔

مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے ان چند مثالوں کی بنیاد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی حکومت سے مرزا صاحب کی مستقل وفاداری بلا وجہ اور بے مقصد نہ تھی۔ انہوں نے اسے اپنے پیرو کاروں کے ایمان کا جزو اور ان کی بیعت کے حلف کا حصّہ بنا دیا تھا۔ انہوں نے جہاد کی بھی ممانعت کر دی حالانکہ اس کے بارے میں قرآنِ کریم میں خاص احکام پائے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب خود شاہ سے بھی زیادہ وفادار تھے، وجہ یہ تھی کہ احمدیہ تحریک کو حکومت کی ہمدردیاں حاصل تھیں اور انہی کی ہدایات پر اور ان کے تحفظ و تائید کے سائے میں شروع ہوئی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حکومت کا مفاد یہ تھا کہ امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کیا جائے اور اسلام ہی سے ایک نئے مذہب کی اختراع سے یہ مقصد پورا ہوتا تھا۔

فاضل وکیل نے مرزا صاحب پر تنقید کی کہ انہوں نے قرآن کریم کی مخالفت میں جہاد کو منسوخ کیا۔ انہوں نے اپنے نکتے کے ثبوت میں مرزا صاحب کی تحریروں کا حوالہ دیا اور درج ذیل چند مثالیں پیش کیں:

۱۔ اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے — دین کی تمام جنگوں کا اختتام ہے
اب آسمان سے نورِ خدا کا نزول ہے — اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد — منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(تحفہ گولڑویہ طبع ۱۹۰۲ء صفحہ ۴۱، مرزا صاحب کی نظم)

۲۔ اس (کسرِ صلیب) کا یہ معنی نہیں ہو سکتا کہ لکڑی کی وہ صلیب جسے عیسائی لٹکاتے ہیں اسے مسیح توڑ دے گا...... اس سے ایک اور صداقت ظاہر ہوتی ہے جو وہی صداقت ہے جو ہم لائے ہیں۔ ہم نے صاف صاف کھول کر اعلان کر دیا ہے کہ اب جہاد منسوخ ہے (امن کا قیام) مسیح موعود کا فریضہ ہے کہ جہاد کا خاتمہ کر دے۔ سو اس مقصد کی خاطر جہاد کی ممانعت کر دینا ہمارے لیے لازمی تھا۔ سو ہم کہتے ہیں کہ یہ ممنوع ہے اور دین کے نام پر تلوار اٹھانا یا ہتھیار اٹھانا سخت گناہ ہے"

(ملفوضات جلد ۴ طبع ۱۹۰۲ صفحہ ۱۸)

۳۔ اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا (اربعین ۴ مطبوعہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۱۵)

۴۔ میرے اصولوں اور اعتقادوں اور ہدایتوں میں کوئی امرِ جنگ جوئی

اور فساد کا نہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے" (مجموعہ اشتہارات جلد ۳، از ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۹)

اسی نوع کے مزید اقتباسات، جو بکثرت موجود ہیں، کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے اوائل میں صرف مرزا صاحب ایسے واحد شخص نہ تھے جنہوں نے برطانوی گورنمنٹ سے وفاداری کا اظہار کیا تھا بلکہ ملک کے متعدد علماء اور مفکّرین نے اس سامراجی طاقت کی تعریف میں کچھ نہ کچھ لکھا تھا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کے پیش کردہ اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء نے جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے کئی عوامل کو مدِ نظر رکھا تھا۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان مغلوب ہو چکے تھے لیکن انہیں مذہبی آزادی حاصل تھی اور اُن پر اُن کا اپنا پرسنل لار نافذ تھا۔ ایک دوسری وجہ جو کئی علماء نے ملحوظ رکھی یہ تھی کہ جہاد اس وجہ سے جائز نہ تھا کہ قیادت کے لیے کوئی امام موجود تھا اور نہ قتال کے لیے اسلحہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان فتاوٰی میں سے اکثر کے پسِ پردہ جہاد میں کامیابی کا عدمِ امکان کار فرما تھا۔

مسئلہ اتنا سادہ نہیں جیسا کہ مسٹر مجیب الرحمٰن نے پیش کیا ہے۔ اس نکتے کی توضیح سے قبل یہ بیان کرنا مناسب ہوگا کہ صرف مسیح موعود کے حوالے سے یَضَعُ الْحَرْبَ یعنی جنگ کا خاتمہ کرنے۔ کے اصول کا مطلب یہ

ہے کہ قتلِ دجال، کسرِ صلیب اور خنازیر کے قتل کے نتیجے میں اسلام کو غلبۂ عام نصیب ہونے کی وجہ سے دنیا میں کفار کا وجود نہیں رہے گا۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ کفار کی حکومت کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔
یَضَعُ الْحَرْبَ (جنگ کا خاتمہ کرنے) کا اصول اس دور کے حالات پر جب مرزا صاحب نے قرآن کریم کے حکمِ جہاد کو منسوخ اور ممنوع قرار دیا تھا، قطعاً منطبق نہیں ہوتا۔

یہ بھی درست نہیں کہ انہوں نے صرف ایک مختصر مدت کے لیے جہاد کو معطل کیا تھا۔ مذکورہ بالا اقتباسات اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ مسیح کی آمد پر (جہاد کے خاتمے کی) حدیث سے مراد جہاد کا قطعی خاتمہ ہے۔ اس کی بنیاد پر جہاد کی منسوخی کسی عبوری نوعیت کے نسخ کے حکم کی نفی کر دیتی ہے۔

اس مسئلے کو صوبہ پنجاب کی سیاسی صورت حال کی روشنی میں دیکھنا چاہیے یہ ایسا وقت تھا کہ جاگیرداروں اور زمینداروں کا سارا طبقہ حکومتِ وقت کا خوشامدی شمار ہوتا تھا اور وہ اس کی رضا جوئی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار رہتے تھے اور کسی انگریز سے ملاقات باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔

مرزا صاحب کی تحریروں سے یہ امر واضح ہے کہ اُن کی ذات اور ان کے بھائی سمیت ان کے خاندان نے برطانویوں سے اپنی دائمی وفاداری جاری رکھی۔ ایسی تحریریں جن میں مرزا صاحب نے برطانویوں کی مدح و ستائش کی ہے، بے مقصد نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا اقتباس سے ایک مقصد

واضح ہے کہ احمدی برطانوی حکومت کی پناہ میں تھے۔ جب کہ مورلیشس سے متعلّق دوسرے اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حکومتِ وقت کے اس قدر منظورِ نظر تھے کہ مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود، حکومتِ مورلیشس نے قادیانی مبلغ کو احمدیت کے پرچار کے لیے ہفتے میں تین دن کیلئے گورنمنٹ ہال الاٹ کر دیا۔ انگریزی سرکار کے لیے مرزا صاحب کی تعریف چاپلوسی، اور تملّق کی حد سے بھی متجاوز ہے۔ اس سے عوام کے ذہنوں میں ایسے شکوک کا پیدا ہونا یقینی ہے کہ یا تو وہ اُمّت مسلمہ میں انتشار وافتراق پھیلانے اور انہیں دائمی غلامی میں جکڑنے کی غرض سے، حکومتِ وقت کی جانب سے سونپا ہوا کردار ادا کر رہے تھے یا وہ اُس سے مفادات کے حصول کی جستجو میں تھے۔

یہ دلیل کہ دوسرے علماء نے اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا، میل نہیں کھاتی کیونکہ یہ حکومت کی حمایت میں کوئی اِکّا دُکّا رائے یا فتویٰ نہ تھا بلکہ یہ دانے کو چھڑانے کا مسلسل عمل تھا۔

اسے محض اتفاق قرار دینا مشکل ہے کہ مرزا صاحب، جو مجدّد مسیح موعود اور مہدی اور نبی ہونے کے دعویدار تھے، نے حکومت برطانیہ کی مدح سرائی کی جب کہ تیرہویں صدی کے اختتام کے قریب اور بعد میں ایران میں بابی مذہب کے بانی مرزا علی محمد باب اور (بہائی مذہب کے بانی) حسین علی بہاؤ اللہ نے روسیوں کی مدح سرائی کی۔ علاوہ ازیں بہاؤ اللہ نے برطانوی حکومت کی بھی مدح سرائی کی تھی اور دونوں نے

جہاد کو منسوخ قرار دیا تھا۔ درحقیقت بہاء اللہ نے بھی مرزا صاحب کے انداز پر جہاد کی منسوخی کا حکم دیا تھا۔

اس نکتے پر بحث کے اختتام پر مناسب ہوگا کہ علامہ اقبالؒ کی آراء اور خیالات سے اقتباس پیش کیا جائے :

کیا اسلام میں تصورِ خلافت ایک مذہبی ادارے کی تشکیل کرتا ہے ؟ ہندوستانی مسلمان اور اسی طرح ترک سلطنت سے باہر کے تمام مسلمان کس طرح ترکی خلافت سے متعلق ہو سکتے ہیں ؟ کیا ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام ؟ اسلام کے نظریۂ جہاد کے حقیقی معنی کیا ہیں ؟ قرآن کریم کی آیت " اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اُولی الامر یعنی حاکموں کی" میں "اپنے میں سے" کا کیا معنی ہے ؟ اور امام مہدی کے ظہور کی پیشگوئی کرنے والی احادیث نبوّیہ کا کیا مفہوم ہے ؟ یہ اور کچھ اور سوالات جو بعد میں اُٹھے ، واضح وجوہ کی بناء پر صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے تھے ۔ تاہم یورپی سامراج جو اُس وقت عالمِ اسلام میں تیزی سے نفوذ کر رہا تھا ، بھی ان میں گہری دلچسپی رکھتا تھا ان سوالات سے اٹھنے والی بحثوں نے ہندوستان میں تاریخِ اسلام کا ایک دلچسپ ترین باب رقم کیا ۔ داستان بڑی طویل ہے اور تا حال کسی مؤثر قلم کی منتظر ہے ۔ مُسلمان

سیاست دان جن کی نگاہیں بڑی حد تک حالات کے حقائق پر مرکوز تھیں علماء کے ایک طبقے کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ دینی استدلال کی راہ اپنائیں، جو اُن کے خیال میں موقع و محل کے لحاظ سے مناسب تھا۔ لیکن یہ آسان نہ تھا کہ محض منطق کے بل بوتے پر ان اعتقادات پر قابو پا لیا جائے جو صدیوں سے ہندوستانی مسلمانوں کے شعور میں پختہ تھے۔

ایسی صورت میں منطق یا تو سیاسی مصلحت اختیار کر لیتی ہے یا رسوم ورواج کا دھارا بدل دیتی ہے دونوں صورت میں استدلال عوام کو متاثر کرنے میں ناکام رہ جاتا ہے۔ اسلام کے راسخ مذہبی عوام کو صرف ایک چیز قطعی متاثر کر سکتی ہے اور وہ ہے وحی کی سند۔ قدیم راسخ اعتقادات کے مؤثر استیصال کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ بالا سوالات میں مضمر دینی نظریات کی مناسب سیاسی تعبیر کے لیے الہامی بنیاد تلاش کی جائے یہ الہامی بنیاد احمدیت نے فراہم کی اور احمدی خود یہ دعوے کرتے ہیں کہ انھوں نے برطانوی سامراج کی یہ بہت بڑی خدمت کی:"

اور صفحہ ۳۱ پر بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جیسا کہ میں نے اوپر واضح کیا ہے، مسلمانوں کے مذہبی

انکار کی تاریخ میں احمدیت کا کردار یہ ہے کہ وہ ہندوستان
کی موجودہ سیاسی غلامی کے لیے الہامی اساس فراہم کرنا چاہتی ہے"
ایک درخواست دہندہ مسٹر مجیب الرحمٰن، جنہوں نے بحث میں حِصّہ لیا، نے
اپنے دلائل کے یہ نکات پیش کیے:

(۱) دفعہ ۲۰۳ ۔ ڈی کی گنجائش اور حد
(۲) فہم قرآن کے اصول
(۳) قرآن کریم کی رُوح
(۴) مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش
(۵) اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق
(۶) قیامِ پاکستان سے پہلے اور قیام کے وقت قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان مختلف معاہدوں کا اثر جو انہیں مذہب کی مکمل آزادی، جس میں اس کے پرچار کا حق شامل ہے، کی ضمانت دیتا ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے ریاست کے اقتدار اور وفاقی شرعی عدالت کو تفویض کردہ اختیارات کی حدود کے حوالے سے دفعہ ۲۰۳ ۔ ڈی کی گنجائش پر بحث کی اور دلیل دی کہ قرآن اور سُنّت کی رُو سے ایسے حکم کی کوئی اطاعت نہیں ہوتی جس سے گناہ کا ارتکاب یا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت لازم آتی ہو، اس کی اساس معروف حدیث لَا طَاعَةَ فِی مَعْصِیَةِ اللّٰهِ (اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں) ہے (بخاری کتاب الاحکام جلد ۲

صفحات ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۷۸) اور اسی طرح کی دیگر احادیث۔
قرآن کریم کی آیت :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر کی۔ پس اگر کسی امر میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ بہتر اور انجام کار زیادہ اچھا ہے۔

پر بنا رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ آیت حاکم اور محکوم کے مابین نزاع سے متعلق ہے انہوں نے کہا کہ آیت میں اُولُو الْاَمْرِ سے مُراد صرف اربابِ اقتدار ہیں، نہ کہ علماء یا کوئی اور دینی عالم، جیسا کہ بعض علماء سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ دفعہ ۲۰۳۔ ڈی کے نفاذ سے اللہ تعالیٰ اور دوسروں جن میں ریاست بھی شامل ہے۔ سے وفاداریوں میں تصادم سے بچاؤ اور تصفیہ، مقصود ہے پہلے مفروضے کے لیے انہوں نے متعدد کتب کے حوالے دیئے۔ دوسرے نکتے کے لیے انہوں نے عدالت کی توجہ خصوصاً ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۹۸ پر پیش کردہ رائے کی طرف مبذول کروائی کہ قرآن کریم

کے اس حکم میں جس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تصفیہ کرنے کے لیے ایک ادارے کا وجود ہونا چاہیئے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

(پس اگر کسی امر میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ)

انہوں نے کہا یہ عدالت ایسا ادارہ ہے۔ اولو الامر کی تشریح و توضیح پر کسی کتاب سے حوالہ دینے اور اس نکتے پر بحث کرنا اس لیے غیر ضروری ہے کہ پیش کردہ نکتہ قطعی ہے اور یہ عدالت مقدمہ نمبر ایس،پی،کے۔ ۲ ، ۱۹۸۲ء میں ایسا قرار دے چکی ہے کہ اولو الامر سے ریاست میں برسرِاقتدار لوگ جن میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ شامل ہیں، مُراد ہیں۔

آئین کی دفعہ ۲۰۳۔ ڈی میں بتایا گیا ہے کہ اس عدالت کا وظیفہ یہ ہے کہ جو قوانین عدالت کے دائرۂ اختیار میں آتے ہوں ان میں قرآن اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تصادم اور تناقض کو ختم کرے۔ اس لیے یہ صحیح دکھائی دیتا ہے کہ یہ عدالت اپنے آئینی دائرۂ اختیار کی حد تک ایسا ادارہ ہے جو ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۹۸ کی تحریر کے مُطابق کسی قانون کے مندرجات میں اختلاف کو قرآنِ کریم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے حل کر سکتا ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن کی اس دلیل پر

شاید ہی کوئی اعتراض ہو سکتا ہو۔

یہ دلیل کہ گناہ میں کوئی اطاعت نہیں ہے بھی قطعی ہے۔ یہ عدالت اس نکتے کا پہلے ہی تفصیل کے ساتھ جائزہ لے چکی ہے نیز پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۳ء (آرڈی ننس ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء) اور پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سرونٹس ایکٹس، پر اپنے حالیہ فیصلوں میں ایک مسلم ریاست کی قانون سازی کی گنجائش کا بھی جائزہ لے چکی ہے۔

دوسرے نکتے پر انہوں نے دلیل دی کہ جس چیز کو قرآن اور سنت جائز قرار دیں اسے حکام ناجائز قرار نہیں دے سکتے، اور اس کے لیے نص صریح کا وجود ضروری ہے انہوں نے تقلید کو نظر انداز کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

یہ درحقیقت پارلیمنٹ کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے حق کو بالواسطہ چیلنج ہے۔ اس نکتے کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ نکتہ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا تھا، ایک قانونی مسئلہ ہے۔ اس لیے پارلیمنٹ نے، جو قانون ساز ادارہ ہے دفعہ ۲۶۰ میں اعلان کر کے اپنے دائرۂ اختیار کے اندر کام کیا ہے۔

علامہ اقبال نے کہا تھا:۔

"یہ سوال کہ کوئی شخص یا جماعت دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکی ہے۔ خالص قانونی مسئلہ ہے اور اسے اسلام کے تعمیری اصولوں کی روشنی میں ہی حل کرنا چاہیئے۔"

مذکورہ بالا دلیل کی طرح وفاقی حکومت کے وکیل شیخ غیاث محمد نے بھی ایسی ہی

دلیل پیش کی ہے یہ عدالت پہلے صوبائی سروئس ایکٹس کا جائزہ لیتے ہوئے اس نکتے اور اپنے دائرہ کار کی گنجائش کا فیصلہ دے چکی ہے۔ یہ قرار دیا گیا تھا کہ عدالت کا دائرہ کار قرآن وسنت کی صرف صریح نصوص تک محدود نہیں ہے عدالت کسی قانون کی پیچیدگیوں کا جائزہ لیتے وقت قرآن اور سنت کے وضع کردہ اصولوں سے استفادہ کرسکتی ہے عدالت نے مقدمہ محمد ریاض وغیرہ بنام وفاقی حکومت وغیرہ پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۰ ۔ ایف۔ ایس سی میں قرار دیا تھا کہ وہ پبلک لار میں تقلید کے اصول کی پابند نہیں ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن کے خدشات کے ازالے کے لیے یہ کافی ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے پھر فہم قرآن کے اصول کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن کو خود قرآن ہی کی روشنی میں سمجھا جائے، کیونکہ وہ ایک ہی مضمون کو مختلف اسلوبوں سے پیش کرتا ہے۔ تکرار سے مقصود انسانی ذہن پر مضمون کو نقش کرنا ہے کبھی ایک مضمون کو ایک جگہ مختصر کیا گیا ہے اور اسے دوسری جگہ کھول کر تفصیل سے واضح کر دیا گیا ہے۔

انہوں نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کا حوالہ دیا ہے:۔

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (الانعام آیت ۱۰۵)	اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسلوبوں میں بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ بول اٹھیں کہ تم نے پڑھا ہے اور تاکہ ہم اس کو اچھی طرح واضح کر دیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝
(بنی اسرائیل آیت ۴۱)

اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر بات واضح کر دی ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔ لیکن یہ چیز ان کی بیزاری ہی میں اضافہ کئے جا رہی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۸۹)

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کی حکمت کی باتیں بیان کی ہیں لیکن اکثر لوگ انکار ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝
(الکہف آیت ۵۴)

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں گوناگوں طریقوں سے بیان کر دی ہیں، لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے۔

ان اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ بحث کے دوران مسٹر مجیب الرحمٰن ہماری توجہ قرآن کریم کی متعدد آیات پر مبذول کراتے رہے جو اُن کے مطابق اپنی وجہِ نزول تک محدود نہیں ہیں بلکہ انہیں اپنے مفہوم میں عام سمجھنا چاہیئے۔

انہوں نے دوسرا اصول یہ پیش کیا کہ کسی آیت کو سمجھنے کے لئے اس کے

سببِ نزول کی دریافت ضروری ہے۔ یہ امر کسی آیت کے فہم میں معاون ہوتا ہے تاہم اس کا معنی سببِ نزول کی حد تک محدود یا مخصوص نہ ہو گا اور اس کے انطباق کا عموم کم نہیں ہو گا۔ یہ اُن رہنما اصولوں پر مشتمل ہیں جو روزِ قیامت تک قابلِ نفاذ ہیں۔ انہوں نے الاتقان (جلد اوّل نوع ۹ اسبابِ نزول صفحہ ۷۰ تا ۷۸) کے حوالے دیئے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر قرآن سے کوئی رہنمائی میسر نہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جانب رجوع کیا جائے۔ آخری اصول یہ ہے کہ اگر سُنّت سے بھی کوئی روشنی نہ پڑتی ہو تو پھر تفسیر میں رہنمائی حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ آثار (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اقوال) ہیں۔ انہوں نے زور دیا کہ قرآن کریم کی روح کو صحیح طور پر سمجھنے اور اُسے مدنظر رکھنے کی کوشش کی جائے۔

چوتھے نکتے پر، جس میں عقیدے کی آزادی اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق شامل ہیں، مسٹر مجیب الرحمٰن نے کہا کہ اس بارے میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) کیا اسلام کسی غیر مسلم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرنے کا حق یا اجازت دیتا ہے؟

(۲) کیا اسلام کسی غیر مسلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دعوے میں صادق تسلیم کرنے کا حق یا اجازت دیتا ہے؟

(۳) کیا اسلام غیر مسلم کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ قرآن کریم کو ایک اچھے نظامِ حیات کی حامل اور قابلِ اطاعت کتاب تسلیم کرے؟

(۴) کیا کسی غیر مسلم کو یہ اجازت ہے یا نہیں کہ وہ اگر چاہے تو قرآن کریم

کے احکام پر عمل کرے؟

(۵) اگر جواب نفی میں ہے، تو اس نفی کی تائید میں قرآن اور سنت کا حکم کہاں ہے؟

(۶) ایسے شخص کے بارے میں قرآن کریم کیا لائحہ عمل تجویز یا مہیا کرتا ہے جو قرآن کی حقانیت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اللہ کی توحید کو مانتا ہو۔ لیکن اسے مسلمان نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اسے ایسا سمجھا جانے کا حق دیا جائے؟

قرآن کریم کی آیات ۲/۲۵۶، ۸/۲۹، ۱۰/۹۹، ۱۰/۱۰۸، ۲۶/۳، ۹۰/۱۰، ۹۱/۸، ۹۱/۹، ۹۱/۱۰ نیز مشہور مفسرین کی تفاسیر سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے یہ خلاصہ پیش کیا کہ احکامِ اسلام کی رُو سے:۔

(الف) دین قبول کرنے کے لئے کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

(ب) اِسے رضا کارانہ طور پر قبول کر لینے پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔

(ج) کسی کو طاقت استعمال کرکے اُس کے مذہب سے نہیں نکالنا چاہیئے اور

(د) جو کوئی اپنے دین سے وابستہ رہنا نہ چاہے اُسے اِسے ترک کر دینے سے روکنا نہیں چاہیئے۔

انہوں نے ان آیات کا بھی حوالہ دیا:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ	جو اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ کا
اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ	کفر کرے گا بجز اس کے جس پر جبر
قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ	کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا
وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ	ہو، لیکن جو کفر کے لئے سینہ کھول دے گا

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ	تو ان پر اللہ کا غضب ہوتا ہے
مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ	اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے
عَظِيْمٌ ۝ (النحل آیت ۱۰۶)	
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو تمہارے لئے یہ بات
يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ	جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی
كَرْهًا ۭ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ	وارث بن جاؤ اور نہ یہ بات جائز ہے
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْ	کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس کا
هُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ	کچھ حصہ واپس لینے کے لئے ان کو
مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ	تنگ کرو مگر اس صورت میں کہ وہ کسی
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ	کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہوں۔
فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا	اور ان کے ساتھ معقول طریقے پر برتاؤ
وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا	کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو بعید
كَثِيْرًا ۝	نہیں کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو اور اللہ
(النساء آیت ۱۹)	تمہارے لئے اس میں بہت بڑی بہتری پیدا کردے
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ	دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔
تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ	ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو
الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ	چکی ہے تو جس نے طاغوت کا انکار
بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ	کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ	نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝
(البقرہ آیت ۲۵۶)

جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝
(الانعام آیت ۱۰۷)

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کر پاتے اور ہم نے تم کو ان پر نگران نہیں مقرر کیا ہے اور نہ تم ان کے ضامن ہو۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ (یونس آیت ۹۹)

اور اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ بھی ہیں سب ایمان قبول کر لیتے، تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن بن جائیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝
(یونس، آیت ۱۰۸)

کہہ دو، اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی لیئے کرے گا اور جو بھٹکے گا تو اس کا وبال اسی پر آئیگا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

شاید تم اپنے آپ کو اس فکر میں ہلاک

اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ٥	کر کے رہو گے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں بنتے !
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ٥ (الشعراء آیت ۳-۴)	اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں۔ پس ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہی رہ جائیں۔
وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ٥ (البلد آیت ۱۰)	اور اس کو ہم نے دونوں راہیں سمجھا دیں۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس آیات ۹-۱۰)	بے شک کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا' اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا۔
وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ ط	کہہ دے یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے تو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں اُن کو اپنے گھیرے میں لے لیں گی اور اگر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا

وَ سَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝	چہروں کو بھون ڈالے گا کیا ہی بُرا
(سورہ الکھف آیت ۲۹)	پانی ہوگا! اور کیا ہی بُرا ٹھکانا۔

سورۃ الکافرون کی آیات ۴، ۵ اور ۶ اس مسئلے کو قطعی طور پر طے کرتے ہوئے ہر شخص کو اپنے دین پر رہنے دیتی ہیں:۔

وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝	اور نہ میں پوجنے والا ہوں جن کو تم نے پوجا
وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝	اور نہ تم پوجنے والے ہو جسے میں پوجتا ہوں
لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝	تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا
(سورۃ الکافرون آیات ۴ تا ۶)	دین ہے۔

آیت نمبر ۱۰/۱۰۰ کی تفسیر میں سیّد قطب لکھتے ہیں:۔

" اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تمام انسانیت کو ایک ہی راہ پر مجبور کرتا اور انہیں اس کے خلاف کسی قسم کا اختیار نہ دیتا۔ لیکن اس کی حکمت، جس کے کچھ مقاصد ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں، کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کی تخلیق اس طرح ہو کہ اسے نیکی اور بدی یا ہدایت اور گمراہی کی استعداد اور صلاحیت سے بہرہ ور کیا جائے۔ پس ایمان کی بنیاد ہر شخص کی اپنی پسند پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قلب وضمیر کے ارادوں اور جذبات میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔" (فی ظلال القرآن جلد ۴ صفحہ ۸۰۴)

اسماعیل حقّی کی تفسیر روح البیان (جلد ۴ صفحہ ۸۴) میں بھی یہی مفہوم دیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ منشا نہ تھا کہ انسانوں کی تخلیق ایسے نہج پر ہوتی کہ وہ سب مومن بن جائیں۔ بلکہ منشا خداوندی یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی پسند

کے مطابق ایمان یا کفر کو اختیار کرے۔ مزید بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ ہے کہ تمام لوگ دائرۂ ایمان میں داخل ہو جائیں تو اس نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپؐ کی قوم کے ایمان کو اپنی مشیئت پر معلق کر دیا اور بتایا کہ تمہارے خالق کی یہ مرضی نہیں ہے، تو پھر کیا آپ ایسے امر میں کیسے جبر کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہے (کہ تمام لوگ مشرف بایمان ہو جائیں)۔

اسی تفسیر میں الکشفی کی اس رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ یہ آیت، آیت جہاد سے منسوخ ہے، مزید بتایا گیا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ ایمان کے مسئلے میں جبر درست نہیں ہوتا، اور اس لئے بھی کہ اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ نیز دیکھئے مدارک التنزیل جلد ۲ صفحہ ۳۸، المنار جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ - ۴۸۴، معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۵۷۷، تفسیر المراغی جلد ۲ صفحہ ۱۵۸۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ	اور ہم نے تم کو ان پر نگران
حَفِيْظًا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ	مقرر نہیں کیا اور نہ تم ان کے
بِوَكِيْلٍ ۝ (الانعام آیت ۱۰۷)	ضامن ہو۔

کی تفسیر میں بھی اسی قسم کا بیان ہوا ہے (دیکھئے تفسیر المراغی جلد ۷ صفحہ ۲۱۱، روح البیان جلد ۳ جزء ۴ صفحہ ۸۴، المنار جلد ۷ صفحہ ۵۰۱ - ۵۰۲، فی ظلال القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۰۵ - ۳۰۶، معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۱۳، تفسیر کبیر امام رازی جزء ۱۳ صفحہ ۱۰۳)۔

المنار میں نگران یا وکیل کے فرائض بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کو دین کی دعوت اور

تعلیم دیں اور انہیں اسے قبول کرنے کی صورت میں فوز و فلاح کی خوشخبری دیں، اور دین الٰہی پر ایمان نہ لانے اور اسے قائم نہ کرنے کی صورت میں انہیں بُرے نتائج سے آگاہ کر دیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہی فرائض ہیں۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی مخلوق کے نگران نہ تھے' اور نہ ہی انہیں اس امر کا اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتے۔ فی ظلال القرآن (از سیّد قطب شہید) کے مطابق یہ آیت اُمّت کی تشکیل سے بحث کرتی ہے۔

دین میں اکراہ یا جبر کے مسئلہ پر تمام مفسّرین نے بحث کی ہے۔ دیکھئے المغنی حصہ ۸ صفحہ ۲۴۳، تفسیر بیضاوی جلد اوّل صفحہ ۲۶۲، مدارک التنزیل جلد اوّل صفحہ ۱۷۰، فی ظلال القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۶ ۔ ۲۸، المراغی جلد ۱۳ صفحہ ۵۲، المنار جلد ۹ صفحہ ۶۶۵، ترجمان القرآن جلد اوّل صفحہ ۲۶۷، تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۱۹۶، روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۱۲ ۔ ۱۳۔ المغنی کے مطابق ایک رائے یہ ہے کہ محض دھمکی بھی اکراہ ہے۔ المنار جلد ۳ صفحہ ۱۶ کے مطابق اصل دین عقیدہ ہے' جو اطمینانِ قلبی کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔ اطمینان قلب کا واحد ذریعہ استدلال اور حجت ہے نہ کہ اکراہ یا جبر۔ ایک اہم نکتہ (دیکھئے المنار جلد ۹ صفحہ ۶۶۵) یہ ہے کہ کسی کو اپنا عقیدہ ترک کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ مجبور نہ کئے جانے کا حق ایک بنیادی حق شمار کیا گیا ہے (فی ظلال القرآن جلد ۳ صفحات ۲۶ ۔ ۲۸)۔ آیت نمبر ۱۸/۲۹ کی تفسیر کے لئے المراغی جزء ۱۵ صفحہ ۱۴۳ فی ظلال القرآن جزء ۱۵ صفحہ ۹۵، تفسیر المظہری جلد ۶ صفحہ ۱۰)۔ تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۳' پر زور دیا گیا تھا۔ یہ آیت واضح طور پر ہر انسان کو کوئی عقیدہ قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیتی ہے۔

ان آیات کریمہ پر مبنی ان تمام دلائل کا لبِّ لباب یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت نہیں کہ تمام لوگ مومن بن جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کریں یہ مقصود نہ تھا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ قرآن وسنت میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں جو اس امر پر پابندیاں عائد کرنے کی اجازت دے کہ غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت وحکمت کی صداقت، قرآن کریم کے پیغام کی صداقت پہ ایمان لائیں یا قرآن کو اپنا دستور حیات بنائیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ کسی شخص کو زبردستی اس دین سے نکالا جائے جس سے وہ وابستہ رہنا چاہتا ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ آرڈی ننس قادیانیوں کو دینِ اسلام، جس سے وہ وابستہ رہنا چاہتے ہیں، سے زبردستی نکال لینے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں لفظ اکراہ پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ یہ صرف طاقت کے استعمال تک محدود نہیں بلکہ یہ ایسے حالات پیدا کرنے کو بھی شامل ہے جو کسی کے لئے اپنے دین کو ماننے یا اس پر عمل کرنے کے لئے سازگار نہ ہوں۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کے پہلے چار سوالوں کا جواب اثبات میں دینا ہوگا۔ کسی غیر مسلم کے اس حق پر ایسی کوئی آئینی، قانونی یا شرعی پابندی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے دعوے میں سچا تسلیم کرے، قرآن کریم کو اچھے دستورِ حیات کا حامل تسلیم کرے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ چار سوالوں کے مثبت جواب کے بعد پانچواں سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چھٹے سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ ایسے غیر مسلم سے قرآن وسنّت کی عائد کردہ شرائط جن کا تذکرہ مناسب

موقع پر آئے گا" کے تحت دوسری اقلیتوں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے "اکراہ" کے بارے میں جو چار اصول بتائے ہیں وہ بھی قطعی ہیں لیکن تیسرے اصول کا اطلاق جیسا کہ مسٹر مجیب الرحمٰن نے کیا ہے، درست نہیں ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو طاقت کے استعمال سے اُس کے دین سے نہیں نکالا جا سکتا۔ اپنے تحریری دلائل میں وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں ـــــ "جیسا کہ ہمیں نکالا گیا ہے"۔ زیر بحث آرڈی نَنس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ انہیں اپنے مذہب سے نکال دیا گیا ہے۔

یہ استدلال کیا گیا تھا کہ احمدیوں پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے یا ایسا ظاہر کرنے پر پابندی عائد کرنا، انہیں اپنے دین سے، جو اُن کے مطابق اسلام ہے، نکالنے کے مترادف ہے۔ اس سوال پر ہم پہلے غور کر چکے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر دو عقیدوں کے قادیانی مسلمان نہیں ہیں بلکہ غیر مسلم ہیں۔ لہٰذا آرڈی نَنس انہیں اپنے آپ کو ایسا کہلانے سے روکتا ہے جو وہ نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنے آپ کو جھوٹ موٹ مسلمان ظاہر کر کے کسی شخص خصوصاً امت مسلمہ کو دھوکہ دینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ مرزا صاحب اور لاہوری گروہ کے سوا، دیگر قادیانیوں نے الٹا مسلمانوں کو غیر مسلم اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے کر اپنے آپ کو ایسی جماعت کی جگہ، جس میں قرآن کریم کی محبت اور عقیدت سب سے بلند ہے مسلم امت قرار دے لیا ہے۔ یہ برداشت نہیں کیا جا سکتا اور غیر مسلموں کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ امت کا شیرازہ بکھیر کر مسلمانوں کے حقوق اور مراعات پر غاصبانہ قبضہ کر لیں۔ پھر یہ امر قادیانیوں کے

مرزا صاحب کو خواہ نبی یا مجدد، مہدی معہود یا مسیح موعود ماننے کے حقوق پر بھی اثرانداز نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اُن کے اس حق میں مداخلت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کریں اور اس کے اصولوں کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کریں۔

شریعتِ اسلامیہ غیر مسلموں کو اپنے دین کو ماننے نیز اس پر عمل کرنے کا پورا تحفظ دیتی ہے۔ مذکورہ بالا آیات کریمہ اور ان کی تفسیر میں مفسرین کی آراء اس امر کی تائید کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معزز خلفاء نے مشرکوں اور غیر مسلموں سے خواہ وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے یا نہیں، دوسرے امور کے علاوہ انہیں دین کی آزادی سے متعلق بہترین شرائط پر معاہدے کئے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلا قدم اٹھایا وہ مدینہ کے یہودیوں، عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ تحریری میثاق تھا۔ اس معاہدے کی پہلی دفعہ، ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں یہ طے کرتی ہے کہ "معاہدے کے تمام فریقوں کو ایک ہی اُمت (جماعت) قرار دے دیا گیا"۔ یہ واضح طور پر ایک ایسی سیاسی قوم بنانے کی کوشش تھی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مدد کر سکے۔

اس معاہدے کی دفعہ ۲۶ کا بیان ہے کہ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک اُمت ہیں یعنی انہوں نے سیاسی اتحاد کی بنیاد پر ایک سیاسی وحدت قائم کی ہے۔ معاہدے کے فریقوں، جن میں مسلم اُمت شامل تھی، نے اس معاہدے کے تحت ایک سیاسی اُمت تشکیل دینے پر اتفاق کرلیا جسے أُمَّةٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ (دوسرے

لوگوں کے بالمقابل ایک سیاسی وحدت) (دفعہ ۱) اور اُمَّۃٌ وَاحِدَۃٌ (متحدہ سیاسی وجود) (دفعہ ۲۶) قرار دیا گیا۔

اُمَّۃٌ وَاحِدَۃ من دُوْنِ النَّاسِ کی تشکیل کے بعد اُن سب کے حقوق اور فرائض بیان کئے گئے جن میں صاف صاف بتایا گیا کہ ہر ایک کو اپنے دین کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حق ہوگا۔ تاہم دفعہ ۲۶ میں یہ خاص شق رکھی گئی کہ یہودی اپنے دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے (دیکھئے سیرت ابن ہشام اردو جلد 1 صفحہ ۵۵۴

عمر ابوالنصر کی کتاب ھارون البرامکۃ (اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی صفحات ۲۷۸ - ۲۷۹) میں بتایا گیا ہے کہ ہارون الرشید کے دَور میں تعصّب اور غیر روا داری کی ایک مثال نہیں ملتی، شام، مصر اور روم میں عیسائیوں کو عبادت کے لیے گرجے تعمیر کرنے اور صلیب کے جلوس نکالنے کی عام اجازت تھی۔ یہودیوں کو اپنے معابد میں عبادت کرنے کا پورا حق تھا۔ آتش پرست کسی پابندی کے بغیر اپنی آگ روشن رکھتے اور اس کی عبادت کرتے۔ سندھ میں ہندوؤں پر مندر میں عبادت کرنے اور اپنے دیوتاؤں کے آگے جُھکنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ مختصر یہ کہ مذہب کے معاملے میں کوئی جبر نہ تھا۔

مصر کے اخبار الہلال کا ایڈیٹر جرجی زیدان اپنی کتاب تاریخ التمدّن الاسلامی (جلد ۳ صفحہ ۱۹۴) میں لکھتا ہے کہ تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی برق رفتار ترقی کی ایک وجہ یہ ہے کہ خلفاء اسلام ہر قوم اور ہر مذہب کے علماء کی بڑی قدر کرتے تھے اور انہیں فراخدلی سے نوازتے تھے، اور کسی کے مذہب

اور نسب یا نسل کا کبھی خیال نہ کرتے تھے۔ ان میں ہر مذہب کے لوگ عیسائی، یہودی، صابی، سامری اور آتش پرست مل کر رہتے تھے۔ خلفاء ان سے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتے۔ غیر مسلموں کو بھی وہی مقام اور آزادی حاصل تھی جو مسلمانوں کے امراء اور افسروں کو دی جاتی۔

صفحہ ۲۸۲ پر عیسائیوں کے ساتھ ہارون الرشید کے سلوک اور بردباری کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔ "اس کا صبر و تحمل اس قدر قوی تھا کہ ایک قیصرِ روم کی مکرّر وعدہ خلافیوں اور سرحدوں پر غارت کے واقعات سے تنگ آکر اس نے چیف جسٹس امام ابو یوسفؒ سے پوچھ لیا کہ اسلامی قلمرو میں عیسائیوں کے گرجا گھروں کو تحفظ کیوں دیا جاتا ہے اور انہیں شہروں میں صلیب کے جلوس نکالنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے۔ امام ابو یوسف نے جرأت مندانہ جواب دیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں رومی علاقوں کی فتح کے بعد عیسائیوں کو تحریری طور پر یقین دلایا گیا تھا کہ ان کے گرجا گھروں کو تحفظ حاصل ہو گا اور انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے اور صلیب کو لے کر چلنے کا پورا حق ہو گا۔ اب اس حکم کو ختم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔"

یہ حقیقت بہت معروف ہے کہ مسلم فاتحین کے مطالبے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ذمّیوں کے قبضے میں موجود مفتوحہ اراضی کو ان میں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے بیت المقدس کے باشندوں کو دی گئی عام معافی کا معاہدہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس کے متعلقہ

حصوں کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

"اللہ کے بندے عمر امیرالمومنین نے اہل ایلیا کو ان کی جانوں اور مالوں کو پناہ دی ہے۔ ان کے گرجا، صلیبیں، بیمار، تندرست اور تمام مذاہب کے لوگ پناہ میں دیں گے۔ ان کے گرجاؤں میں کوئی نہیں رہے گا نہ وہ گرائے جائیں گے .... اور نہ ان کی صلیب اور مال کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کے مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی"۔ (تاریخ طبری جلد ۲ اردو ترجمہ از سیّد محمد ابراہیم صفحہ ۵۰۱، وثیقہ ۳۵۷ صفحات ۳۰۴، ۳۰۵ از سیاسی وثیقہ جات مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہ، الفاروق مولانا شبلی نعمانی حصّہ دوم صفحہ ۱۴۹)

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے اہل مدنیار کو تحریری ضمانت دی کہ ان کا مذہب تبدیل نہیں کیا جائے گا اور ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی (تاریخ طبری صفحہ ۱۵۵)۔

جرجان کے فتح کے موقع پر امان کے معاہدے میں یہ شق رکھی گئی کہ ان کی جانوں، جائیداد اور دین کو تحفظ حاصل ہو گا۔ اور ان میں سے کوئی چیز تبدیل نہیں کی جائے گی"۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مقنا، حنین اور خیبر

کے لوگوں کو دیئے گئے امان نامے میں بتایا گیا ہے کہ آپ کو وحی الٰہی کے ذریعے تینوں طبقات کے اپنے گھروں کو لوٹنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ "سو ضرور لوٹ جائیں۔ ان سب کے لیے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے پناہ ہے۔ نہ صرف تمہاری جانوں کے لیے امان ہے بلکہ تمہارے دین، اموال، غلاموں اور جملہ املاک کے لیے بھی۔ ان سب چیزوں میں خدا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ ماسوا مذکورہ بالا رعایتوں کے یہ مراعات بھی دی جاتی ہیں۔

۱۔ جزیہ کی معافی ۲۔ .... ۳۔ ....

۴۔ ترک بیگار

۵۔ فوجی مہم میں شرکت سے استثناء

۶۔ فوجی ضرورت کے لیے تمہارے گھر خالی کرانے کی معافی

۷۔تا ۸ ....

۹۔ مسلح ہو کر نکلنے کی اجازت ہے۔

۱۰۔ تم خود پر حملہ آور کے خلاف جنگ کر سکتے ہو۔ ایسی لڑائی میں تمہارے مخالف کے مقتولوں کی دیت یا قصاص تم سے نہ دلوایا جائے گا۔

۱۱۔ تا ۱۷ ....

۱۸۔ تمہارے جنازے لے جانے کی راہ میں رکاوٹ نہ ہوگی۔

۱۹۔ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ مسلمانوں

پر تمہارے شرفار کی تعظیم واجب ہے۔

۲۰۔ تا ۲۱ . . . .

۲۲۔ اسلام میں کسی کو جبراً مسلمان کرنا روا نہیں۔

۲۳۔ تا ۲۶ . . . .

۲۷۔ جو شخص میرا یہ خط پڑھے یا اسے سُنے اور اس میں تغیر یا اس کی مخالفت کرے ایسے شخص پر اللہ اور ملائکہ اور تمام جہان کی لعنت ہے . . . . میں اس کا دشمن ہوں گا (روزِ قیامت کو)"۔

(سیاسی وثیقہ جات نمبر ۳۴ صفحات ۵۹ تا ۶۲)

وثیقہ نمبر ۹۴ (ایضاً صفحات ۹۶ تا ۹۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان طے پانے والا معاہدہ ہے۔ یہ بہت ہی نرم شرائط پر مشتمل ہے۔ دین سے متعلق شرائط دفعہ ۸ ب اور ۹ میں موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو ان کے دین (کی آزادی)، اُن کے گوشہ نشین پادریوں اور کاہنوں کے تحفظ کا ذمہ دار قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سید بن حارث اور اس کی جماعت کے دوسرے عیسائیوں کے ساتھ کئے گئے معاہدے میں دوسرے امور کے علاوہ انہیں عقیدے اور دین پر عمل کرنے کے امور میں کامل آزادی دی گئی (دفعہ ۵)۔ان کے گرجے، عبادت خانے، خانقاہیں اور مسافر خانے

خواہ وہ پہاڑوں میں ہوں یا کھلے میدان یا تیرہ و تار غاروں کے اندر ہوں یا آبادیوں میں گھرے ہوئے ہوں یا وادیوں کے دامن اور ریگستانوں میں ہوں، سب کی حفاظت میرے ذمے ہے (دفعہ ۴ ایضاً صفحہ ۱۰۹)۔ کسی عیسائی کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہ کیا جائے گا (دفعہ ۲۳)۔ ان سے مذہبی گفتگو میں احسن طریق سے پیش آیا جائے (دفعہ ۲۴)۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے رشتہ داروں کے لیے جو آتش پرست تھے بھی فرمانِ نبوی کے ذریعے اسی طرح ان کے مذہب کے بارے میں کامل آزادی دی گئی (ایضاً صفحہ ۳۳۱، دفعہ ۸)۔ ان کے آتش کدوں کی بحالی اور ان کی آمدنی اور فروغ میں انہیں آزادی ہے (دفعہ ۴)۔ جس مسلمان کے گھر میں نصرانی عورت ہو اسے اپنے مذہبی شعائر ادا کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ وہ عورت جب چاہے اپنے علماء سے مسئلہ دریافت کر سکتی ہے۔ جو شخص اپنی نصرانی بیوی کو اس کے مذہبی شعائر ادا کرنے سے منع کرے وہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے ان کو دیئے گئے میثاق کا مخالف اور عنداللہ کاذب ہے (دفعہ ۳۵)۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اہل نجران کی امان کی تجدید کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کردہ تمام شرائط اور مراعات کو بحال رکھا، اور ان کے طریقِ عبادت، پادریوں اور راہبوں کے تحفظ کے بارے میں مزید خاص مراعات دے دیں (وثیقہ نمبر ۹۸ ایضاً صفحات ۱۱۴ - ۱۱۵)۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب (MUSLIM CONDUCT OF STATE)
کی دفعہ ۲۰۸ اور ۲۰۹ یوں ہیں :-

"(۲۰۸) حنفی فقہ کا معروف مجموعہ یعنی البحرالرائق واضح کرتی ہے کہ غیر مسلموں کے قبرستان کا اتنا ہی احترام کیا جائے گا جتنا کہ خود مسلمانوں کے قبرستانوں کا ہے اور جس طرح ان کی زندگی میں ان کی جان، جائیداد اور عزت کا احترام کیا جاتا ہے اسی طرح انتقال کے بعد ان کی ہڈیوں کا احترام کیا جائے گا۔

(۲۰۹) امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اس امر پر متفق ہیں کہ اگر غیر مسلم قرآن کریم، حدیثِ رسولؐ یا اسلامی فقہ پڑھنا چاہیں تو انہیں اس سے روکا نہیں جا سکتا۔"

اسی کتاب کی دفعہ ۲۰۰ میں بیان کیا گیا ہے :

"اسلامی قانون نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان واضح فرق رکھا ہے۔ کئی پہلوؤں سے غیر مسلموں کی حالت بہتر ہوتی ہے۔ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں جب کہ تمام مسلمان مرد، عورت، جوان، بوڑھے ہر سال اپنی بچت کے ۲۰۰ درہم (یا ۱۰-۲ پونڈ تقریباً) جو اس سے زائد پر اڑھائی فیصد کے حساب سے لازمی طور پر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وہ لازمی بھرتی سے بھی مستثنیٰ ہوتے ہیں جب کہ تمام مسلمان لازمی بھرتی کے تحت آتے ہیں۔ انہیں ایک نوع کی خود مختاری حاصل ہوتی

ہے۔ اُن کے مقدمات کا تصفیہ اُن کے اپنے ہم عقیدہ لوگوں
کے ہاتھوں اور اُن کے پرسنل لاء کے مطابق ہوتا ہے۔ اسلامی
ریاست ان کی جان اور جائیداد کے تحفظ کی اتنی ہی ذمہ دار ہوتی
ہے جتنا کہ مسلمانوں کے جان و مال کی۔"

عبدالوحید خان اپنی کتاب "تاریخ افکار سیاست" کے صفحہ ۱۸۱ پر مسلمانوں
کی مذہبی رواداری کے بارے میں لکھتا ہے:

"تقریباً ہر دور میں مذہبی رواداری اسلامی ریاست کی نمایاں
خصوصیت رہی ہے۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض اوقات
حکومت نے مسلمانوں پر مذہبی پابندیاں عائد کر دیں اور بسا اوقات
مسلمان اپنے عقائد کی وجہ سے (جو حاکمِ وقت کے عقائد سے
مختلف ہوتے) ابتلاء کا شکار ہوئے۔ لیکن اسلامی ریاست
کی غیر مسلم رعایا جس مساوی سلوک اور اپنے دینی معاملات
میں کامل آزادی سے بہرہ ور رہی، تاریخ اس کی مثال پیش
کرنے سے قاصر ہے۔"

وہ مزید کہتے ہیں کہ اسلامی ریاستوں میں مکمل مذہبی آزادی موجود رہی اور
مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے طریقوں پر (اور اپنے ضمیر کے مطابق)
عمل کرتے۔ ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ متوکل علی اللہ
کے زمانے میں ذمّیوں پر کچھ زیادتیوں کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان
کے پس پردہ ایک عنصر یہ تھا کہ اس وقت خود غیر مسلم، قائم حکومت کے

خلاف سازشیں کرنے لگے تھے اور ایسی سازشیں ان کی عبادت گاہوں میں تیار ہوتی تھیں۔ بدیں وجہ حکومت کو ان کا لباس مقرر کرنے اور ان کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ ورنہ خود متوکل علی اللہ بالکل آزاد خیال شخص تھا اور مذہبی رواداری کا حامی بھی۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ عباسی حکومت میں مذہبی آزادی اس قدر زیادہ تھی کہ مانی کے پیروکار جنہیں اپنے وطن ایران میں جائے پناہ نہ مل سکی، بغداد میں آزادی سے اپنے خیالات کا پرچار کرتے تھے۔ نیز ہندوستان کے علماء، یہودی اور عیسائی مبلّغ بھی اسلامی علاقوں میں کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے مذاہب کی تشہیر کرتے تھے۔ بنو اُمیّہ کے دور میں غیرمسلموں کو ریاست کے اعلےٰ عہدوں پر فائز کر لیا جاتا تھا لیکن بنو عباس کے دور میں ایک غیرمسلم کو وزیراعظم مقرر کردیا گیا۔ معتضد کا وزیراعظم فضل بن مروان عیسائی تھا۔ اور اس کے عہد میں بیت الحکمت، جس میں مختلف موضوعات کی کتابوں کا ترجمہ ہوا، کا سارا نظم ونسق غیرمسلموں کے ہاتھوں میں تھا۔ بنو عباس کے دربار میں جبرائیل خاندان کو جو اہمیت حاصل تھی وہ ایک معروف تاریخی واقعہ ہے۔

عبدالرحیم اپنی کتاب (MOHAMMADAN JURISPRUDENCE) (طبع ۱۹۵۸ء) کے صفحہ ۲۵۱ پر، ردّالمختار (جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ - ۳۲۰) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث درج کرتا ہے کہ "غیرمسلموں کو ان کے عقیدے پر چھوڑ دو"۔ اسی قاعدے کی رُو سے اس کے مطابق

شافعیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اسلامی قانون غیر مسلم کی شراب نوشی میں مداخلت نہیں کرے گا جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے .... قانون غیر مسلم کو شراب کی فروخت کا حق دیتا ہے اور جو اسے ضائع کرے گا وہ تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ نیز اس کے مطابق قانون اسلامی ریاست کے مجوسی شہری کو ایسا رشتہ کرنے سے نہیں روکے گا جو اسلام کی نگاہ میں ممنوع ہو۔ اور اگر بیوی نے درخواست دی تو عدالت اس کے خلاف بیوی کے نان نفقے کا حکم جاری کر دے گی"

مولانا مودودی اپنی کتاب "اسلامی ریاست" میں لکھتے ہیں :

"ذِمّی دو طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ جو اسلامی حکومت کا ذمّہ قبول کرتے وقت کوئی معاہدہ کریں اور دوسرے وہ جو بغیر کسی معاہدہ کے ذمّہ میں داخل ہوں۔ پہلی قسم کے ذِمّیوں کے ساتھ تو وہی معاملہ کیا جائے گا جو معاہدے میں طے ہوا ہو۔ رہے دوسری قسم کے ذِمّی تو ان کا ذِمّی ہونا ہی اس بات کو مستلزم ہے کہ ہم ان کی جان اور مال اور آبرو کی اُسی طرح حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں جس طرح خود اپنی جان اور مال اور آبرو کی کریں گے۔ ان کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہوں گے۔ ان کے خون کی قیمت وہی ہو گی جو مسلمانوں کے خون کی ہے۔ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ

رہیں گی۔ ان کو اپنی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے کا حق دیا جائے گا اور اسلامی تعلیم بہ جبر اُن پر نہیں ٹھونسی جائے گی۔" (صفحہ ۵۲۳)

قرآن کریم کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کے معاہدوں اور تاریخ کے دوسرے مسلم خلفاء کے طرزِ عمل سے یہ عیاں ہے کہ اس دور میں غیر مسلموں کو وہ مراعات اور حقوق حاصل تھے جو تا حال استعماری حکمرانوں نے کئی ممالک میں اپنی رعایا کو نہیں دیئے۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی ممالک نے ایسے حقوق اپنے شہریوں کو نہیں دیئے۔ اپنے مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں غیر مسلموں کو کامل آزادی حاصل رہی اور مذہب کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حق فی الواقع بنیادی انسانی حق شمار کیا گیا۔

دین کے بارے میں اسلام کامل رواداری کا درس دیتا ہے اور اس امر کو ہر انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ چاہے تو اسلام قبول کرلے۔ کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دی گئی۔ جو چاہے ایمان لائے اور چاہے تو نہ لائے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عقیدے کے بارے میں مداخلت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ آپؐ کا فریضہ صرف اللہ کے پیغام کی دعوت دینا اور اس کی تعبیر و تشریح، نیز اہلِ ایمان کو جنّت کی بشارت دینا اور کُفّار کو دوزخ کی خبر دینا تھا (کیونکہ آپؐ بشیر و نذیر بھی تھے)۔

تاہم یہ تمام دلائل غیر متعلق ہیں، کیونکہ زیرِ بحث قانون قادیانیوں

کو اپنا عقیدہ بدلنے اور اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

ان حالات میں مسٹر مجیب الرحمٰن نے شکایت کی کہ قادیانیوں پر اسلام کو اپنا دین ماننے پر پابندی لگا دی گئی ہے اور انہیں اذان، جو دین کا ایک حصّہ ہے، کہنے کے حق اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ مسلمان ہیں اور نہ ہی یہ امور اکراہ، جبر یا دھمکی کے ان اصولوں کے تحت آتے ہیں جن پر آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان آیات کا اطلاق کسی اور دین کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے پر ہوتا ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے قرآن کریم اور سنّت کی رُو سے معاہدات کی لازمی پابندی کرنے پر بحث کی۔ ان دلائل کا جائزہ لینا اس لیے ضروری نہیں کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (معاہدے پُورے کرو) اور اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ (عہد پُورا کرو) کے واضح احکام اس مفروضے کی صحت میں کوئی شک نہیں رہنے دیتے۔ اس امر کی بہترین مثال معاہدہ حدیبیہ ہے جس میں فریقین کے مابین طے شدہ شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص مشرکینِ مکہ میں سے مسلمان ہو کر ان کی اجازت کے بغیر مسلمانوں میں شامل ہو گا اسے اہلِ مکہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں اہلِ مکہ کے جور و ستم کا شکار ہونے والے مسلمان بچ نکلے اور مدینہ پہنچ گئے۔ لیکن معاہدہ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے آپؐ نے انہیں واپس لوٹ جانے کا حکم دے دیا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ قیامِ پاکستان کے وقت قائداعظم

اور احمدیوں کے درمیان فی الواقع ایک عہد تھا۔ اور قائد اعظم کا پاکستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی کامل مساوات اور دوسرے امور کے علاوہ انہیں اپنے اپنے مذاہب کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی آزادی دینے کا اعلان ایک ضمنی معاہدے یا ضمانت کے مترادف تھا۔ جسے ۱۹۷۳ء تک ملک کے مختلف دساتیر میں شامل یا ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ان دساتیر نے پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے مذاہب کو ماننے، ان پر عمل کرنے اور تبلیغ کرنے کے حق کی ضمانت دی تھی اور ۱۹۷۴ء تک قادیانیوں کو غیر مسلم قرار نہیں دیا تھا۔

ہمیں قادیانیوں اور قائد اعظم کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ نہیں دکھایا گیا کہ انہیں مسلمان سمجھا جائے گا اور نہ ہی قیامِ پاکستان یا قائد اعظم کی زندگی میں یہ سوال اٹھا تھا۔ ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء کے دساتیر یا ۱۹۷۳ء کے اصل دستور کا کوئی سہارا نہیں لیا جا سکتا، کیونکہ قادیانیوں کو ایک ایسی دستوری ترمیم کے ذریعے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا جو بالاتفاق منظور ہوئی تھی اور جو مسلمانوں کے مسلسل احتجاجات کا نتیجہ تھی۔ یوں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

اس آرڈی ننس کے نفاذ کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہو گا کہ ۱۹۷۴ء کی اس آئینی ترمیم کے اثرات کا جائزہ لیا جائے جس کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے اس رائے کا پرجوش اظہار کیا کہ آئین نے قادیانیوں کو صرف غیر مسلم قرار دیا

ہے اور ان پر خود کو غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ ہم نے ان سے یہ استفسار کیا کہ کیا پاکستان کے قادیانی شہریوں پر آئین کی پابندی لازمی ہے یا نہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ اُن پر اس کی پابندی لازمی ہے۔ اسی تسلیم سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اعلان کے مطابق قادیانی اس امر کے پابند ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی رُو سے غیر مسلم ہیں۔ وہ انتخابات میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے ان نشستوں سے بطور امیدوار کھڑے ہو سکتے ہیں جو غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہیں۔ ایسے مقدمات جن میں عقیدے کا مسئلہ درپیش ہو، انہیں لازماً اپنے آپ کو غیر مسلم کہنا ہوگا۔ اپنے مسلمان ہونے کے مفروضے کی بنیاد پر وہ کسی بھی قانونی حق کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس پٹیشن پر بحث کے دوران ان کا خود کو مسلمان کہنے پر اصرار واضح طور پر غیر آئینی ہے:

دفعہ ۲۶۰ (۳) قادیانیوں کو آئین اور قانون کے مقاصد کے لیے غیر مسلم قرار دیتی ہے۔ دفعہ ۲۰ پاکستان کے شہریوں کو دیگر امور کے علاوہ اپنے مذہب کو ماننے کے حق کی ضمانت دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دفعہ آئین کی دوسری دفعات کے تابع ہے۔ اس نکتے کو مسٹر مجیب الرحمن نے تسلیم کیا تھا۔ آئین کی دفعہ ۲۶۰ (۳) کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہوئے، دفعہ ۲۰ کی مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہوگا، کہ قادیانی یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور/ یا مرزا صاحب کی نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن خود کے مسلمان ہونے اور اپنے

دین کے اسلام ہونے کا اعلان نہیں کر سکتے۔ مختصر حکم میں نادانستہ طور پر کچھ آراء درکر آئی تھیں لیکن اس جامع فیصلے میں مؤقف پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس بات پر زور دینا درست نہیں ہے کہ آئین انہیں اپنے آپ کو غیر مسلم کہنے پر مجبور نہیں کرتا۔

اس بارے میں ساری دِقّت قادیانیوں کے اس روّیے کی بناء پر پیدا ہوئی کہ وہ خود کو مسلمان یا اپنے عقیدے کو اسلام نہ کہنے کے پابند ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور اپنے پروپیگنڈے اور تبلیغ کو اسلام کے نام پر جاری رکھنے پر اَڑے رہے۔ انہیں خود کو براہِ راست یا بالواسطہ مسلمان ظاہر کرنے سے مجتنب رہنا چاہیئے تھا لیکن وہ ڈھٹائی کے ساتھ اپنے مخالف طرزِ عمل سے مسلم اُمّت کا صبر و ضبط آزمانے پر بجے رہے۔

ایسے القاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، آپؐ کی بیویوں اور افرادِ خاندان کے لیے مخصوص ہیں، کے استعمال پر پابندی لگانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کو استعمال کرکے قادیانی اپنے آپ کو بالواسطہ مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ اُمُّ المومنین (مسلمانوں کی ماں) امیرالمومنین، خلیفۃ المسلمین، خلیفۃ المومنین (سب اُمّت مسلمہ کے سربراہ یا حاکمِ اعلیٰ کے لیے ہیں) کے القاب مومنین اور مسلمین کے الفاظ پر مشتمل ہیں اور لوگوں کو یہ دھوکا دے سکتے ہیں کہ ان کے حاملین مسلمان ہیں یا خود کو مسلمان پکارتے ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ کی ترکیب قرآن کریم

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ یا زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے بطور دُعا، استعمال ہوئی ہے۔ "صحابی" اور "اہلِ بیت" کے کلمات مسلمان علی الترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں اور آپؐ کے خاندان کے افراد جو سب بلاشبہ بہترین مسلمان تھے، کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے ساتھیوں اور اُن کے افرادِ خاندان کے لیے ایسی اصطلاحات کے استعمال کا معنی یہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرا نکتہ بھی وزنی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک قادیانیوں کا مرزا صاحب کی بیوی، افرادِ خاندان، ساتھیوں اور جانشینوں کے لیے ایسی مقدس اصطلاحات کا استعمال اُن کی بیحرمتی کے مترادف ہے؛

اسی طرح اذان کہنا اور عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینا اس بات کی پختہ علامت ہے کہ اذان پڑھنے والا یا مسجد میں مجتمع یا نماز پڑھنے والے اشخاص مسلمان ہیں۔

ان القاب اور اوصاف کے استعمال کی ممانعت کی دفعات سے آئینی دفعہ کا نفاذ ہوتا ہے اور اس آرڈی ننس میں اسی اصول کا اعادہ کیا گیا ہے کہ قادیانی کسی بھی طریقے سے براہِ راست یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کہلا یا ظاہر نہیں کر سکتے۔

مذہب کی تبلیغ پر پابندی کا محرّک بھی اسی طرح کی سوچ ہے۔ قادیانیوں نے خود کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں کو یہ تسلّی دینے کہ احمدیت کو ماننے کا معنی اسلام کو ترک کرنا یا ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرنا نہیں

بلکہ بہتر مسلمان بننے کا موقع ہے ، کی حکمت عملی کی بدولت اُن میں اور زیادہ تر پنجاب میں کچھ کامیابی حاصل کی ۔ اس مقصد کے لیے وہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں میں سخت فرقہ واریت اور علماء کی مسلسل شدّت کے خلاف موجود نفرت کے روائتی سُروں کو چھیڑتے ہیں اور انہیں اپنی تبلیغ جسے وہ اسلام میں آزاد خیالی قرار دیتے ہیں ، کی جانب راغب کرتے ہیں ۔ یہ حکمت عملی ، جس نے انہیں کچھ فائدہ دیا ہے ، اس سوداگر کے اس فراڈ سے گہری مماثلت رکھتی ہے جو اپنے گھٹیا سامان کو ایک شہرت یافتہ فرم کا اعلیٰ قسم کا معروف سامان ظاہر کر کے چلتا کرتا ہے ۔ قادیانی یہ تسلیم کرلیں کہ ان کی تبلیغ اسلام کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مذہب کی طرف ہے تو بے خبر مسلمان بھی اپنے ایمان کو چھوڑ کر کفر قبول کرنے سے نفرت کریں گے ۔ بلکہ الٹا قادیانیوں کے دلوں سے احمدیت کا طلسم ٹوٹ جائے گا ۔

ہم پروفیسر طاہر القادری کی اس رائے سے متفق ہیں کہ اگر قادیانی آئینی دفعات کی پابندی کرتے تو اس آرڈی ننس کے نفاذ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی ۔ مذہب کی تبلیغ پر پابندی لگانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے :

ایک دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے جس مسلمان سے ملتے اُسے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی کوشش کرتے اور مرزا صاحب کو نبی کہہ کر اس کے جذبات کی سخت توہین کرتے ، کیونکہ

تمام مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں. اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصّہ اور منافرت کے جذبات جنم لیتے، جن کے نتیجے میں امن دامان کا مسئلہ پیدا ہوجاتا تھا. ان کے مسیح موعود اور مہدی کے دعوے پر جذبات سخت مشتعل ہوئے تھے. یہ خالی دعوٰے نہیں بلکہ قادیانیت کی تاریخ اور خود مرزا صاحب کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف علماء بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھوں سخت عداوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے ان کی تحریروں میں اپنے مخالفین کے لیے سخت بیہودہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی ہے. ایسے واقعات بھی ہوئے جن میں اجتماعی احتجاجات کیے گئے. مثال کے طور پر عبدالقادر کی کتاب حیات طیبہ صفحہ ۱۲۱، ۱۳۶ اور ۱۴۰ دیکھئے. مرزا صاحب کی اکثر تحریریں اپنے مخالفوں کے لیے بد دعاؤں اور سخت کلامی سے پُر ہیں. انہوں نے خود بھی اُن سے مسلمانوں کی عمومی عداوت کا ذکر کیا ہے (دیکھئے حمامۃ البشریٰ صفحہ ۳۴، ازالہ اوہام صفحہ ۱۱)۔ حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۳۵ پر انہوں نے لکھا ہے:

"پس یہی وہ دعوٰی ہے جس پر میری قوم (غیر احمدی مسلمان) مجھ سے لڑتی ہے اور وہ مجھے مرتد سمجھتے ہیں. اور وہ زور سے بولتے ہیں اور مسلم حقیقی کا کوئی احترام بجا نہیں لاتے. انہوں نے کہا کہ وہ کافر، کذّاب اور دجّال ہے. اگر انہیں حکّام کی تلوار کا خوف نہ ہوتا تو وہ میرے قتل کے درپے تھے۔"

مرزا صاحب کے کچھ واقعات سے صدمے اور طوفان کی ایسی لہر اُٹھی کہ وہ ان کے مریدوں میں زلزلوں کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سیرت المہدی کے مؤلف کی دی ہوئی تعداد کے مطابق ایسے زلزلے پانچ تھے :

(۱) پہلا طوفانِ عظیم جس نے احمدیت کو ہلا کر رکھ دیا وہ ، مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے بعدکہ اسی حمل کے دوران پسر موعود پیدا ہوگا ، ۱۸۸۶ء میں لڑکی کی پیدائش تھی ۔

(۲) دوسرا طوفان اس لڑکے کی وفات پر اُٹھا جو اس لڑکی کے بعد پیدا ہوا تھا ۔

(۳) تیسرا صدمہ جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو متزلزل کر دیا وہ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ تھا ۔

(۴) چوتھا طوفان آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کے پورا نہ ہونے پر اُٹھا ۔

(۵) پانچواں زلزلہ مرزا صاحب کا انتقال تھا (مولوی ثناء اللہؒ کی وفات سے بہت پہلے اور وہ بھی ایک مُہلک بیماری سے جو ہیضہ بتائی گئی تھی ، اور پھر ایسی موت جو مرزا صاحب کے اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق بارگاہِ الٰہی سے مردود اور اس پر افترار کرنے والوں کے لیے ہی مخصوص ہے) ۔

(سیرت المہدی نمبر ۱۱۳ صفحات ۸۶ تا ۹۰) ۔

اس تعداد کی بنیاد بھی مرزا صاحب کی ایک پیشگوئی پر رکھی گئی ہے ،

جس میں انہوں نے پانچ زلزلوں کی پیش گوئی کی تھی۔ لیکن اگر اس پیشگوئی کے مفہوم کے مطابق ان واقعات میں سے ہر واقعہ کو ایک زلزلہ شمار کیا جائے تو یہ فہرست یقیناً ناقص ہے۔ محمدی بیگم سے شادی میں ناکامی پر مرزا صاحب کو جس تمسخر کا سامنا کرنا پڑا وہ علم الزلازل کی رُو سے بہت لمبے عرصے اور مسلسل طوفانوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح نبوت کا دعویٰ کرنے پر مرزا صاحب جس مخالفت اور عداوت کا نشانہ بنے اس کی نوعیت ایسی تھی کہ آج تک اس کی شدت کم نہیں ہوئی۔ پہلے، دوسرے، چوتھے، پانچویں زلزلے اور محمدی بیگم کے واقعہ نے مرزا صاحب کو مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر ہنسی، مذاق اور نفرت کا نشانہ بنا دیا۔ ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود، مہدی نیز نبی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہونے کے دعوؤں نے عامۃ المسلمین، علمائے دین اور دانشور طبقے میں یکساں طور پر عداوت غم و غصے اور ملامت و مذمت کا لامتناہی سلسلہ پیدا کر دیا (دیکھئے سیرت المہدی جلد ۱ صفحات ۸۶ تا ۹۰ جلد ۲ صفحات ۴۴، ۶۴، ۸۷ جلد ۳ صفحہ ۴۳)۔

یہ اُن کی زندگی میں مسلمانوں کے بار بار رُونما ہونے والے سخت ترین اشتعال کی ایک تصویر ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کا نفاذ، منیر انکوائری کمیٹی کی تشکیل اور ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم یہ سب مسلمانوں کے سخت اشتعال،

احتجاج، جھنجلاہٹ اور غم و غصّے کو ثابت کرتے ہیں۔ مجموعہ ضابطہ فوجداری پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کی ممانعت کرتی ہے اور یہ خود ان امور پر مسلمانوں کے اضطراب اور غم و غصّے کا ثبوت ہے جنہیں آخر کار آرڈی ننس نے ممنوع قرار دے دیا ہے۔

مسلمان اُمّ المومنین، اہلِ بیت، صحابی، امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، اور خلیفۃ المسلمین کی اصطلاحات صرف علی الترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہّرات، افرادِ خاندان، ساتھیوں اور آپؐ کے صالح خلفاء ہی کے لیے استعمال کرتے رہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ اصطلاحات صرف ان عظیم شخصیات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت سے مُشرّف ہونے والے اشخاص کے لیے مخصوص ہیں، لیکن قادیانی انہیں مرزا صاحب کی بیوی، خاندان اور ساتھیوں کے لیے، جنہیں غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے، استعمال کرتے ہیں۔ اس امر کو مسلمانوں نے ہمیشہ بُرا منایا ہے۔ اسی بنا پر آرڈی ننس نے ایسی اصطلاحات کے استعمال کو فوجداری جرم قرار دے دیا ہے۔

اُمّہات المومنین، اُمُّ المومنین اور ازواجِ مطہّرات کے کلمات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے مخصوص ہیں اور ان کے مخصوص استعمال پر خود قرآن کریم کا ارشاد موجود ہے۔ قرآن کریم کی آیت ۳۳/۶ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی شان میں ارشاد ہوتا ہے:

" وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ " (اور اُس کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں)۔

اسی طرح متعدد ایسی احادیث موجود ہیں، جن میں پیغمبرؐ کی ہر بیوی کو اُمّ المومنین (مومنوں کی ماں) کہا گیا ہے۔ ہر مسلمان کی حقیقی ماں، سوتیلی ماں (دیکھئے آیت نمبر ۴/۲۳) کے علاوہ وہ بھی مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس تعلق کی وجہ اولاً دوسری تمام خواتین پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی فضیلت و تفوق ہے اور ثانیاً آپؐ کے بعد آپؐ کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔

سورہ الاحزاب کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔	اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔

نیز اس سے قبل آیت ۳۰ میں فرمایا:۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ	اے نبی کی بیویو، تم میں سے جو
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا	کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوگی
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ	تو اس کے لئے دُوگنا عذاب ہے۔
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝	اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے

یہ دونوں آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دوسری خواتین کی مانند نہیں ہیں۔ انہیں امّ المومنین یا ازواج مطہرات کا خطاب دینے کی ایک وجہ یہی ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ اس اصول کی بنا پر کہ اللہ کے رسول کی وراثت اُمّت کو ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیویوں کو کوئی وراثت نہیں ملی تھی۔ یوں وہ اپنے گذارے کے لیئے کسی ذریعہ آمدن سے محروم ہوگئیں۔ آپؐ کی زندگی میں بھی انہوں نے نہایت غربت میں گذارا کیا۔ اس کے باوجود اگر اُن کے پاس کوئی پونجی ہوتی یا گھر میں کھانے کی کوئی چیز میسّر آ جاتی تو وہ اسے اپنے استعمال میں لانے کی بجائے کسی محتاج کو صدقہ کر دیتیں۔

ایک دفعہ انہوں نے کچھ مطالبات کیئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فوراً یہ تنبیہہ نازل ہوئی کہ یا تو تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت میں رُوکھی سُوکھی زندگی گذارتی رہو یا تمہیں دنیا کا سامان دے دلا کر رخصت کر دیا جائے گا (آیت ۳۳/۲۸)۔ تاہم انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک رفاقت کو اختیار کیا۔ آپؐ کی ان ازواج مطہّرات میں سے کچھ ایسی بھی تھیں جو متموّل خاندانوں سے آئی تھیں اور خوشحالی دیکھ چکی تھیں مثلاً حضرت سودہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ، اور حضرت اُمّ حبیبہؓ۔ لیکن انہوں نے بھی فقر و فاقے کی زندگی کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم سے الگ ہونے پر ترجیح دی۔ ان عظیم شخصیات کا کسی بھی دوسری عورت سے موازنہ کرنا اور ان کے خطاب کو کسی دوسری عورت پر منطبق کرنا ناممکن ہے۔

ایک اور اصطلاح جس کے استعمال سے قادیانیوں کو روک دیا گیا ہے "اہلِ بیت" ہے۔ یہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان کے افراد کے لیئے مستعمل ہے۔ سورہ ھود کی آیت ۷۳ میں ارشاد ہوا۔

رَحْمَتُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ — اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل

عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ — ہوں آپ پر اے گھر والو!

سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۳ میں ارشاد ہوا :۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ — اے نبی کے گھر والو اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے آلودگی کو دور کرے۔ اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

ان ارشادات سے اہلِ بیتِ رسالت کو اس امر سے آگاہ کرنا مقصود ہے کہ انہیں ہر قسم کے گناہوں اور معصیت سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اپنے عقیدے، عمل اور معاملات میں تقویٰ اور طہارت کے اعلیٰ معیار کا پابند رہنا چاہیئے۔

قرآن کریم اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ خاندانِ رسالت کے تمام افراد ان صفات و محامد سے متصف تھے۔ بصورتِ دیگر نوح علیہ السّلام کے بیٹے کو بھی اُن کے اہلِ بیت سے خارج قرار دیا گیا تھا کیونکہ اس نے کُفر کو اختیار کر لیا تھا اور احکامِ الٰہیہ کا منکر تھا۔ سورۃ ھود کی ان آیات کو پڑھیئے :۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ — اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ پکا ہے اور تو تمام فیصلہ کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے۔ فرمایا اے

عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (سورہ ہود آیت ۴۵ — ۴۶)	نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔ وہ نہایت نابکار ہے۔ پس مجھ سے اس چیز کے لئے درخواست نہ کرو جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ اور میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ بنو۔

اہل بیت کی اصطلاح بھی جیسا کہ کئی احادیث سے واضح ہوتا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاندان کے افراد کے لئے مخصوص ہے۔

ایسے اشخاص جو مسلمان نہیں ہیں یا جو مسلمان نہیں تھے اُن کو اس نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ قادیانیوں کی طرف سے مرزا صاحب کے افراد خاندان کے لئے ایسے نام کا استعمال زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔ وہ اوصاف جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے افراد خاندان متصف تھے وہ کسی اور شخص میں موجود نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مسلمانوں نے اس توہین کا بُرا منایا۔ اس اصطلاح کے استعمال سے امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امت کے مفاد میں تھا کہ اس کے استعمال کو فوجداری جرم قرار دے کر قادیانیوں کو اس کے استعمال سے منع کر دیا جائے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا معنی ہے" اللہ اس سے راضی ہوا۔" قرآن کریم میں ان لوگوں کے بارے میں کافی رہنمائی موجود ہے جن کے لئے یہ وصف استعمال

ہو سکتا ہے۔ ذیل میں متعلقہ آیات درج کی جاتی ہیں:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝	اور مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے. اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور بڑی کامیابی یہی ہے۔
(سورۃ التوبہ آیت --۱۰۰)	
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝	اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جبکہ وہ تم سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا تو اتاری ان پر طمانیت اور ان کو ایک عنقریب ظاہر ہونے والی فتح سے نوازا۔
(سورۃ الفتح آیت ۱۸)	

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ	تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ	اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان
مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	رکھتی ہو اور وہ دوستی رکھے ان
وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ	سے جو اللہ اور اس کے رسول
اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ	سے برسرِ مخالفت ہوں اگرچہ وہ
اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ	ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا
	ان کے بھائی یا اہلِ کنبہ ہی کیوں
	نہ ہوں۔
اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ	یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ	اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے
وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ	اور اپنی طرف سے ایک فیضانِ
مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ	خاص سے ان کی تائید فرمائی ہے
جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ	اور ان کو داخل کرے گا ایسے
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	باغوں میں جن کے نیچے نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ
رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ	رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی
وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ	ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ	یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں۔ سُن
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	رکھو کہ اللہ کی پارٹی ہی فلاح

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ پانے والی ہے۔

(سورۂ مجادلۃ)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دی یا مومنین کو، غیر مسلموں کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہیں ہو سکتا رضی اللہ عنہ کی صفت استعمال نہیں کی جا سکتی۔ مرتد اور کافر اس بشارت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اُن کے لئے خبر یہ ہے کہ وہ جنت میں نہیں بلکہ دوزخ میں رہیں گے۔ ان حالات میں کوئی ایسا قاعدہ وضع کرنا ممکن نہیں جس کی رُو سے مرتدین بھی اسے استعمال کر سکیں۔ اسلام کا مسلّمہ ضابطہ یہ ہے کہ خواہ مسلمان کفار کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ درج ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

(سورۂ توبہ آیت ۸۰)

تم ان کے لئے مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لئے ستّر بار بھی مغفرت چاہو گے تو بھی اللہ ان کو بخشنے والا نہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (سورۃ المنافقون آیت ٦)

ان کے لئے یکساں ہے، تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا بیشک اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ (سورۃ التوبہ آیت ١١٤)

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب سے تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس نے اس سے اعلان براءت کر دیا۔ بے شک ابراہیم بڑا ہی نرم دل اور بُردبار تھا۔

یہ آیات اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ وہ لوگ جنہیں معاف نہیں کیا جائے گا، وہ یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو جائے گا۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے ہمیں کئی ایسی کتابیں دکھائیں جن میں صوفیاء اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس وصف کا استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات اُن کے لئے مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مومنین کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ اس امر کی تردید نہیں کی گئی کہ غیر مسلموں نے

اس صفت کو استعمال نہیں کیا۔ یہ ان کے دلائل کا مسکت جواب ہے۔

ایک اور متنازعہ اصطلاح "صحابی" ہے۔ یہ لفظ مسلّمہ طور پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھیوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ لیکن قادیانیوں نے اسے مرزا صاحب کے ساتھیوں کے لئے استعمال کیا ہے۔

علّامہ سخاوی نے اس اصطلاح کے یہ معنی لکھے ہیں" ابوالحسین معتمد میں لکھتا ہے کہ صحابی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طویل صحبت پائی ہو اور اُن سے علم سیکھا ہو" (فتح المغیث صفحہ ۳۷۱)۔

اس لئے صحابی وہ خوش نصیب انسان ہے جو ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت سے مشرّف ہوا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں فوت ہوا ہو (دیکھئے ملحض اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۹ اور اسد الغابہ جلد ۱ صفحات ۱۸-۱۹)۔

ایک ایسے شخص جسے جھوٹا نبی قرار دیا گیا ہو، کی صحبت اختیار کرنے والے شخص پر اس مخصوص اور فنی اصطلاح کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد گرامی قابلِ توجہ ہے:۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ.

یہ حدیث اُن تین نسلوں کا تذکرہ کرتی ہے جنہیں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے بھی یہ واضح ہے کہ صحابہ وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت پائی، تابعین وہ ہیں جو صحابہ کے بعد ہوئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نہیں کی۔ اور

تبع تابعین وہ لوگ ہیں جو تابعین کے بعد ہوئے۔ کسی شخص کے صحابی ہونے کے لئے اہم امر یا شرط یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو اور یہ زیارت بھی اس نے مومن ہونے کی حالت میں کی ہو اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اُس کی موت واقع ہوئی ہو نہ کہ کفر کی حالت میں۔

دوسری اصطلاحات امیرالمومنین، خلیفۃ المسلمین اور خلیفۃ المومنین ہیں۔ یہ تینوں اصطلاحات، جن میں مومنین اور مسلمین کے الفاظ موجود ہیں، واضح طور پر مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ اعلیٰ ترین منصب پر فائز شخص، خواہ وہ صدر کہلاتا ہو یا وزیر اعظم، بادشاہ، خلیفۃ المومنین، خلیفۃ المسلمین یا امیرالمومنین کے نام سے موسوم ہو، کی معروف شرط یہ ہے کہ اسے مسلمان ہونا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلیفۃ رسول اللہ کا لقب اختیار کیا۔ اگرچہ ہر انسان خلیفۃ اللہ (زمین میں اللہ تعالیٰ کا نائب) ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے صرف خلیفۃ رسول اللہ کا لقب اختیار فرمایا۔ جب خلیفۂ ثانی نے زمام خلافت سنبھالی تو ان کا خیال تھا کہ وہ خلیفۃ خلیفۃِ رسولِ اللہ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے کے خلیفہ کہلائیں گے۔ لیکن محسوس ہوا کہ اگر ہر نئے حکمران کے لیے خلیفہ کا لفظ بڑھتا چلا گیا تو یہ بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے امیرالمومنین کا لقب اختیار کر لیا (اسلام کا نظام حکومت صفحات ۲۴۴۔ ۲۴۵)۔ اس لیے امیرالمومنین، یا خلیفۃ المسلمین یا خلیفۃ المومنین کے القاب صرف مسلمانوں کے سربراہان کے لیے مستعمل و مخصوص ہیں۔ کوئی مسلمان پسند نہیں کرے گا کہ ایسے لوگ جو غیر مسلم ہیں یا جو امت مسلمہ سے خارج ہیں، وہ یہ لقب اختیار کریں۔ اس وجہ سے

اور خصوصاً قادیانیوں کے ان القاب اور اصطلاحات کے استعمال کے نتیجے میں مسلمانوں کی اُن سے عداوت کی بنار پر ، اس آرڈی ننس کا نفاذ ہوا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے الفاظ کئی صوفیار اور اولیار کے لیے استعمال ہوئے ہیں ، امیرالمومنین کے الفاظ امام مالک کے لیے استعمال ہوئے انہیں امیرالمومنین فی الحدیث کہاجاتا ہے نیز نظام حیدر آباد کیلئے بھی استعمال ہوئے جبکہ ایک صوفی کی ایک مرید عورت کے لیے امّ المومنین کا استعمال ہوا ہے۔

یہ دلائل نکتے سے غیر متعلق ہیں ، مسلمانوں یا ان کے صوفیوں کے لیے ان اصطلاحات کا شاذ و نادر استعمال حجت نہیں بن سکتا ، کیونکہ وہ سب لوگ جن کے لیے ان کا استعمال ہوا تھا وہ کم از کم مسلمان ضرور تھے اور کافر نہ تھے۔ ثانیاً ان کا استعمال حضرت رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی نقل اتارنے کی نیّت سے نہ تھا۔ ثالثاً یہ شاذ و نادر مثالیں ہیں۔

قادیانیوں کے ہاں ان اصطلاحات کا استعمال اس اصول پر مبنی ہے کہ مرزا صاحب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہیں اور ان کی مزعومہ بعث حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث دوم ہے اور اس کے نتیجے میں مرزا صاحب کے ساتھی ، بیوی ، افرادِ خاندان اور جانشین اسی تکریم اور عقیدت کے مستحق ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ، بیویوں ، اہل بیت اور خلفار کو حاصل ہے۔

"اگر مرزا صاحب محمّد ہیں تو ان کے صحابہ محمد رسول کے ہی صحابہ ہیں"۔ (الفضل قادیان جلد ۳ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ ۲۵۳)۔

مرزا صاحب کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ انہوں نے لکھا ہے" ہمار

وَجُوْدِی وُجُوْدَہٗ (میرا وجود ان کا وجود بن گیا) اور جو کوئی بھی میری جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔" (خطب الہامیہ صفحات ۲۵۸۔ ۲۵۹)۔

اس بارے میں زیر بحث آرڈی ننس بالکل درست ہے۔

دوسرا مسئلہ اذان پر پابندی کے بارے میں ہے۔ آرڈی ننس غیر مسلموں یعنی قادیانیوں کو لوگوں کو نماز کے لیے اذان کے کلمات پڑھ کر بلانے سے روکتا ہے۔ اذان کا معنی 'پکار' ہے اور مؤذّن 'پکارنے والا' ہوتا ہے۔ یہ لغوی معانی آیات قرآنیہ نمبر ۷/۴۴، ۱۲/۷۰ اور ۲۲/۲۷ سے واضح ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (الاعراف۔ آیت ۴۴)	وہ کہیں گے، ہاں! پھر ایک منادی کرنے والا ان کے بیچ میں پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر!
ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ (یوسف آیت ۷۰)	پھر ایک منادی نے آواز دی اے قافلہ والو تم لوگ چور ہو۔
وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ (الحج۔ آیت ۲۷)	اور لوگوں میں حج کی منادی کرو وہ تمہارے پاس آئیں گے پیادہ بھی اور لاغر اونٹنیوں پر بھی جو پہنچیں گی دُور دراز گہرے پہاڑی رستوں سے۔

ان تینوں آیات میں اَذَّنَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَذَانٌ اسی کا اسم ہے اور اس کا معنی پکار یا نداء ہے۔ پکار سے مقصود اطلاع دینا ہوتا ہے اور مؤذّن منادی کے معنی میں مستعمل ہے۔ اَذَّنَ، اَذَانٌ اور مؤذِّنٌ کے یہ لغوی معانی ہیں۔ آیت نمبر ۹/۶۲ میں اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ (جب نماز کے لیے پکارا جائے) کے کلمات میں نماز کے لیے پکارنے کے اس طریقے کا تذکرہ ہے جو اذان کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ 'جب اذان دی جائے' کیا جائے گا۔ یہ آیت کریمہ مع ترجمہ ملاحظہ کیجیے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (جمعة۔ آیت ۹)	اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے چل کھڑے ہو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

ہجرت سے پہلے اذان کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ ہجرت کے بعد ایک شخص لوگوں کو نماز کے لیے اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہہ کر بلاتا، جس کا معنی یہ ہے کہ نماز کی جماعت تیار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے بلانے کے نظم کو اہمیت دی۔ آپؐ کے تین صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے طریقۂ اذان کے خواب دیکھے۔ ان تینوں خوابوں میں سے حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمرؓ کے خواب بہت معروف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے اسی رات رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اپنے خواب کا واقعہ بتا دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے آپؐ کو صحیح اطلاع دی۔ اس دن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دے دیا کہ وہ یہ اذان پڑھ کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں۔ بعد میں حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) کے الفاظ کا اضافہ کر دیا اور آپؐ نے ان کی منظوری دے دی۔ (الجامع لاحکام القرآن قرطبی جلد ۶ صفحہ ۲۲۵)۔

اذان کے وجوب کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ تاہم جیسا کہ ابوعمر کا کہنا ہے۔ اذان دارالاسلام اور دارالحرب کے مابین امتیازی صفت یا علامت ہے۔ (ایضاً)۔

یہ دینِ اسلام کی امتیازی خصوصیات یا علامتوں میں سے ایک ہے۔ اس لیے یہ مسلمانوں کا شعار یعنی ان کا امتیازی نشان ہے (البحر الرائق ابن نجیم جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)۔ بتایا گیا ہے کہ اس امر پر اجماع ہے کہ یہ اسلام کا شعار (امتیازی نشان) ہے۔ (فتاوی قاضیخان بر حاشیہ فتاویٰ عالمگیری، حجۃ اللہ البالغۃ از شاہ ولی اللہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۴)۔

اذان کے شعارِ اسلام ہونے کے لئے یہ دلائل کافی ہوں گے:۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو ان کی عبادت گاہوں کی طرف بلانے کی مشہور شکلیں یہ تھیں:۔

(الف) نرسنگا پھونکنا۔

(ب) گھنٹی بجانا۔

(ج) آگ جلانا۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کوئی شکل یا طریقہ پسند نہیں فرمایا بلکہ آخرکار اذان کے کلمات پڑھ کر بلانے کو پسند فرمایا۔

(۲) اسلام کا اصول یہ ہے کہ اذان پڑھنے والے شخص کو مسلمان تصوّر کیا جائے گا تاآنکہ اس کے برعکس ثابت ہو جائے۔ ابن عصام مزنی کے والد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک فوجی مہم پر بھیجا اور فرمایا کہ جب تم کوئی مسجد دیکھو یا مؤذن کی اذان سنو تو پھر کسی کو قتل نہ کرو (سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)۔ یہی حدیث صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۶ پر حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔

(۳) ایک اور حدیث یوں مروی ہے:۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغِيْرُ عِنْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَكَانَ يَسْتَمِعُ فَاِذَا سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ وَ اِلَّا اَغَارَ۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمن پر نماز فجر کے وقت حملہ کرتے تھے۔ آپ غور سے سنتے تھے اور اگر آپ وہاں اذان کی آواز سنتے تو رُک جاتے، ورنہ حملہ کر دیتے)۔

(سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۳۵۴، مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ اُردو ترجمہ)۔

پہلی حدیث میں مذکور آنحضرت صلی علیہ وسلم کی ہدایت اور اذان سُننے پر حملہ نہ کرنے کے معمول کی وجہ یہ ہے کہ اذان سے اس امر کا ظن غالب ہوتا ہے کہ اس آبادی میں مقیم لوگ مسلمان ہیں اور وہ حملے سے محفوظ ہوں گے۔

اسی لیے فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جو شخص اذان پڑھتا ہے اُسے مسلمان سمجھا جائے گا۔ اگر لوگ کسی ذمّی کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ اس نے اذان دی ہے تو اُسے مسلمان تصور کیا جائے گا۔ (البحر الرائق جلد ۱ ابن نجیم صفحہ ۲۷۹ ، ردّ المختار از ابن عابدین جلد ۱ صفحہ ۳۵۳)۔

ان آراء سے استدلال کرتے ہوئے مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی ہے کہ جو شخص اذان پڑھتا ہے اُسے مسلمان تصور کیا جانا چاہیئے۔ لیکن یہ دلیل درست نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ حدیث کا منشا صرف اس قدر ہے کہ اذان کہنے سے کسی شخص کے حق میں اس کے مسلمان ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ احتمال قطعی نہیں ہوتا بلکہ غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ آخر الامر اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اذان پڑھنے والا شخص فی الواقع غیر مسلم ہے یا اس کے ایسے عقائد سامنے آ جائیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ غیر مسلم ہے، تو اُسے محض اس بناء پر اذان کہنے کا فائدہ اٹھانے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے استحقاق کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ردّ المختار جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ پر اس امر کی توضیح کی گئی ہے کہ کسی مسجد میں مؤذن کے اذان پڑھنے سے یہ غالب احتمال ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے کیونکہ اذان کہنے کی اجازت عموماً صرف مسلمان ہی کو دی جاتی ہے یعنی اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو اس مسجد کے نمازی اُسے اذان پڑھنے کی اجازت نہ دیتے۔ تاہم اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ کافر کی اذان درست نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف اذان کہنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر وہ معمول کے مطابق ایسا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کے اسلام کا احتمال قوی ہو گا۔

اب ہم مسٹر مجیب الرحمٰن کے استدلال پر بحث کرتے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ بالا احادیث نبویہ اور قرآن کریم کی آیات نمبر ۴/۹۴ پر بنیاد رکھی ہے۔

یہ آیت یوں ہے :

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝

(النسآء - آیت ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں نکلا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام کرے اس کو دنیوی زندگی کے سامان کی خاطر یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اللہ کے پاس بہت سامان غنیمت ہے۔ تمہارا حال بھی پہلے ایسا ہی رہ چکا ہے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل فرمایا پس تحقیق کر لیا کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔

اس دلیل کا جواب خود آیت میں موجود ہے۔ لفظ فَتَبَیَّنُوْا (پس اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو) سے مسلمانوں کی طرح سلام کرنے، لَآ اِلٰـهَ اِلا اللّٰه کہنے یا اذان پڑھنے یا مسجد ایسی عبادت گاہ میں نماز پڑھنے سے کسی شخص کے مسلمان

ہونے کا احتمال ہوتا ہے لیکن یہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر غلط ہونے کا ثبوت موجود ہو تو اُسے مومن یا مسلم نہیں کہا جائے گا۔

پروفیسر طاہر القادری نے دلیل دی کہ کتاب اللہ حق اور باطل کے درمیان تمیز کرتی ہے۔ انہوں نے ان آیات قرآنیہ کے حوالے دیئے۔ آیات نمبر ۲۵/ ۱، ۴۱/ ۴۴، ۵/ ۱۰۰، ۳۵/ ۲۲، ۵۹/ ۲۰، ۳۴/ ۴، ۵۷/ ۱۴ اور ۳۲/ ۱۸ مسلم اور مومن کی تعریف کر دی گئی ہے اور ان کی صفات بیان کر دی گئی ہیں۔ جیسے باطل کو حق کا نام دینا اور شر کو خیر قرار دینا ناممکن ہے ٹھیک اسی طرح ایک غیر مسلم کو مسلمان کہنے یا اس کے برعکس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایک معروف حدیث مروی ہے کہ جو کسی ایسے شخص کو کافر کہے جو کافر نہیں ہے تو یہ کفر غلط الزام لگانے والے پر لوٹ آئے گا۔ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ ایک غیر مسلم کو مومن یا مسلم کہا جائے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے تسلیم کیا کہ اذان مسلمانوں کا شعار ہے لیکن کہا، کہ یہ قادیانیوں کا بھی شعار ہے اور جب یہ دونوں کا یکساں شعار ہے تو پھر یہ مسئلہ قرآن کریم کی آیات نمبر ۵/ ۲ اور ۲/ ۲۴ کے مطابق طے کیا جائے گا۔ دونوں آیات کریمہ درج ذیل ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ	اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو، نہ محترم مہینوں کی اور نہ قربانیوں کی اور نہ پٹے بندھے ہوئے نذر کے جانوروں کی اور نہ بیت اللہ کے عازمین کی جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی

فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

(المائدۃ - آیت ۲)

کے طالب بن کر نکلتے ہیں اور جب حالت احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی، کہ اس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے، تمہیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔

اور تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور تعدّی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت پاداش والا ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(آل عمران - آیت ۶۴)

کہہ دو اے اہل کتاب اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مُسلم ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے الفاظ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ کا ترجمہ پکتھل نے " اس معاہدے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے " کیا ہے۔ یہ ترجمہ درست نہیں، کیونکہ اس آیت میں کسی معاہدے کا تذکرہ نہیں بلکہ ایسی چیز کا ذکر کیا گیا جو دونوں میں یکساں مشترک ہے۔ تاہم مولانا فتح محمد کا اردو ترجمہ بالکل صحیح ہے اور اوپر دیئے ہوئے ترجمہ میں اُسی کی عکاسی کی گئی ہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن کا استدلال یہ ہے کہ جو امر قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین مستحسن اور مشترک ہو اس میں مداخلت نہیں ہونی چاہیئے، کیونکہ وہ دونوں کے درمیان کَلِمَةٍ سَوَاءٍ ہے۔ کَلِمَةٍ سَوَاءٍ کی تفسیر کے لیے انہوں مدارك التنزيل جلد اوّل صفحہ ۲۲۲ کا حوالہ دیا" کہ کَلِمَةٍ سَوَاءٍ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسا یکساں مشترک امر جس کے بارے میں قرآن، تورات اور انجیل میں اختلاف موجود نہیں ہے۔ اور کَلِمَةٍ کی تفسیر خود یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے (یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں)"۔ امام ابن کثیر کہتے ہیں کہ "کَلِمَةٍ سَوَاءٍ سے مراد صرف خدائے واحد کی عبادت کرنا ہے، کیونکہ یہ تمام انبیاءؑ کی مشترک دعوت تھی"۔ (تفسیر ابن کثیر اردو جلد اوّل صفحہ ۶۷)۔

امام سیوطی کی الدر المنثور (جلد ۲ صفحہ ۴۰) میں ہے کہ "کَلِمَةٍ سَوَاءٍ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) ہے"۔ مفتی محمد شفیع کَلِمَةٍ سَوَاءٍ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس پر لوگوں کو مل جانا چاہیئے۔ اس سے مسٹر مجیب الرحمٰن نے یہ استنباط کیا ہے کہ ایسے امر کو

قابل سزا جرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن پاک کی سورہ نمبر ۴۱ کی آیت نمبر ۳۳ میں ارشاد ہوا ہے :-

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ	اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی
دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا	جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور
وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○	کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

(حٰمٓ السجدۃ۔ آیت ۳۳)

کلبی کے مطابق اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب مؤذن اذان پڑھتا اور مسلمان نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہودی ان پر طنز کرتے اور مؤذن کے بارے میں نازیبا کلمات بولتے تھے۔ اس لیے اس آیت میں اذان کو اَحْسَنُ قَوْل (بہترین بات یا سب سے اچھی بات) فرمایا گیا (قرطبی جلد ۶ صفحات ۲۲۴ ۔ ۲۲۵)۔

یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ کسی غیر مسلم کی اذان، اذان شمار نہیں ہوگی اور اس لیے اس پر 'بہترین بات' کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس آیت میں ایک مومن یا مسلم کی تعریف کی گئی ہے۔ جس سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ اذان " اَحْسَنُ قول " (بہترین بات) صرف اس وقت شمار ہوگی جب اُسے کوئی مسلمان پڑھے۔ کیونکہ اس کا صحیح حق یہی ہے کہ اسے ایسا شخص پڑھے جو عملِ صالح اور مسلمانوں کے عقیدے کا حامل ہو۔

عدالت کے سامنے قرآن کریم کی آیت نمبر ۲/۵ کے شانِ نزول کے بارے اختلاف کا اظہار کیا گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا اس آیت میں شعائر اللہ سے مُراد

مشرکین کے امتیازی نشانات یا خصوصیات ہیں یا مسلمانوں کی۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے مفسرین کی آراء سے اس نقطۂ نظر کی تائید میں حوالے پیش کئے کہ اس آیت میں شعائر سے مراد مشرکین کے امتیازی نشانات ہیں جبکہ مسٹر ریاض الحسن گیلانی نے ان کے مخالف آراء کا سہارا لیا۔ پیر محمد کرم شاہ، جو اب سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے جج ہیں، اپنی معروف تفسیر ضیاء القرآن میں مسٹر مجیب الرحمٰن کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

کچھ آراء ایسی بھی ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔ مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی کہ آیت کا یہ حصہ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ہرگز منسوخ نہیں ہوا۔

اس اختلاف میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اگر اس آیت کا تعلق حج کے موقع پر قربانیاں لانے اور انہیں منٰی میں ذبح کرنے سے متعلق غیر مسلموں کے شعائر سے بھی ہو، تو آیت نمبر ۹/۲۸ میں ایک مختلف حکم دیا گیا تھا۔ یہ آیتِ کریمہ حسب ذیل ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ	اے ایمان والو! یہ مشرکین بالکل نجس ہیں تو یہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ پھٹکنے پائیں۔
وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	اور اگر تمہیں غربت کا اندیشہ ہو تو اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو مستغنی کر دے گا۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

(التوبۃ ۔ آیت ۲۸)

مشرکین کو کعبہ کے قریب پھٹکنے سے روک دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ اس حکم الہٰی کے نفاذ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یہ حکم دے کر مکہ روانہ کیا کہ آئندہ غیر مسلموں کو حج سے منع کر دیا جائے۔

اس حکم میں مشرکین کو کعبے میں اپنے شعائر کی ادائیگی سے روک دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں حج اور زیارت کے شعائر سے منع کر دیا گیا۔ (دیکھئے تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ حاشیہ ۲۵)۔

اس سے یہ بدیہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کسی غیر مسلم کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ شعائرِ اسلام کو اختیار کرے۔ کیونکہ شعائر کا مفہوم یہ ہے کہ اُمت کی ایسی خصوصیات یا امتیازی نشانات جن سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ اگر کوئی اسلامی ریاست برسرِ اقتدار ہونے کے باوجود غیر مسلموں کو ایسے شعائرِ اسلام اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے جن سے امتِ مسلمہ کی امتیازی حیثیت متاثر ہوتی ہے تو یہ اس ریاست کی غفلت اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکامی شمار ہو گی۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو شعائرِ اسلام اختیار کرنے کی کھلی اجازت دے دینا شعائرِ اسلام سے غیر قانونی سلوک کے مترادف ہے۔ اس لیے ان کی ممانعت کر دینا اشد ضروری ہے۔ مندرجہ بالا آیت نمبر ۹/۲۸ اور اس کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے قانون سازی کے اختیارات میں غیر مسلموں کو شعائرِ اسلام اختیار کرنے کی ممانعت کر دینا شامل ہے۔ اور یہ بھی اسلامی ریاست کے تشریعی اختیارات میں شامل ہے کہ وہ ایسے غیر مسلموں کو سزا دے جو شعائرِ اسلام اختیار کرنے سے باز نہیں [illegible] تفسیر میں بھی سزا دی گئی ہے۔ اس سے

مسٹر مجیب الرحمٰن کے تعزیر کے بارے میں دلائل کا احاطہ بھی ہو جاتا ہے۔
اس بارے میں مسٹر مجیب الرحمٰن نے درج ذیل نکات پیش کئے:۔

۱۔ اگر اذان شعار اسلام ہے اور یہی شعار غیر مسلموں میں مشترک ہو تو کیا غیر مسلموں کو اس سے روک دیا جائے گا؟

۲۔ کیا کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ کے بارے میں حکم کے مطابق یہ لازمی نہیں ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم اس میں اکٹھے شریک رہیں؟

۳۔ کیا اَحْسَنُ قَوْل (بہترین بات) کو پڑھنا قابلِ سزا جرم قرار دیا جا سکتا ہے؟

ان سوالات کے جوابات پہلے دیئے جا چکے ہیں اور اب اُن کا خلاصہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ آیت نمبر ۹/ ۲۸ اور اس سے اخذ کردہ قوانین کی روشنی میں غیر مسلموں کو ایسے شعائر کی ادائیگی کی ممانعت کی جا سکتی ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترک ہوں۔ کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ مختلف معاملات کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن پہلے سوال کے جواب کی وجہ سے دوسری سوال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ تاہم اس امر پر زور دیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ کفّار بھی طواف کرتے تھے لیکن جب مسلمانوں نے خانہ کعبہ کا انتظام سنبھال لیا تو انہیں اس سے روک دیا گیا۔ یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ کسی غیر مسلم کی اذان پر اَحْسَنُ قَوْلَ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلے سوال کے جواب کی رُو سے کسی شخص پر ایسے شعار کی ادائیگی کی پابندی لگائی جا سکتی ہے تو اُسے اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے پر سزا دینے کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے۔

جب قادیانی قادیان میں تھے اور وہاں ان کی اکثریت تھی اور انہیں کافی قوت حاصل تھی تو ان کا اپنا طرزِ عمل بہت متعلق ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کو

خود ان کی اپنی مساجد میں اذان دینے سے روک دیا تھا۔ احرار نے قادیان میں مسلمانوں کی مساجد میں اذان کہنے کے لیے کچھ رضا کار بھیجے لیکن قادیانیوں نے ان پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیا اور ان سب کو کئی زخمی لگائے اور وہ ہسپتالوں میں بستروں پر پڑے رہے (تحریک ختم نبوّت ۱۸۹۱ء ــــ ۱۹۷۴ء از شورش کاشمیری صفحہ ۸۷)۔ یہ انگریز سرکار کے دَور میں وحشیانہ قوت کے بل بوتے پر ہوا ہوگا۔ یہ اس امر کی مثال ہے کہ جس چیز کو وہ اپنا شعار (امتیازی نشان) خیال کرتے تھے اُسے انہوں نے مسلمانوں کے لیے عملاً غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ برسرِاقتدار اکثریت کی جانب سے ایسی پابندی قانونی ہوگی۔

ان کی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے پر پابندی کے خلاف مسٹر مجیب الرحمٰن کی دلیل یہ تھی کہ قرآن کریم کی رُو سے مسجد کا لفظ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ یہ ایسے لوگوں کی عبادت گاہوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو اب غیر مسلم ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا گذشتہ ۱۴۰۰ سال میں کبھی بھی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام دیا گیا ہے، تو ان کا جواب نفی میں تھا۔ لیکن چند دن کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ کم از کم کراچی میں یہودیوں کی ایک ایسی عبادت گاہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس پر 'مسجد بنی اسرائیل' کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس تحریر کی تصویریں پیش کیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ یہودیوں کا معبد ہے اس کا ترجمہ کسی نے 'مسجد بنی اسرائیل' کر دیا ہے۔ ایسا نام یہودیوں میں عام طور پر رائج نہیں ہے۔

یہ مسئلہ کہ قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے علاوہ

دوسروں کی عبادت گاہ کو مسجد کہا گیا ہے، نکتے سے غیر متعلق ہے۔ ابتداء یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہی اسلام دین الٰہی چلا آ رہا ہے۔ اگر کسی اور نبی کی امت کے لوگوں، جو اس وقت کے دین اسلام کے پیرو کار تھے، کی عبادت گاہوں کے لیے مسجد کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا، کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو بھی مسجد ہی کا نام دیا جائے گا۔ نکتہ یہ ہے کہ گذشتہ ۱۴۰۰ سال میں یہ نام صرف مسلمانوں ہی کی عبادت گاہوں کے لیے مخصوص رہا ہے اور یہ رواج صرف مسلمانوں ہی میں رہا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد کا نام دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں مساجد کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اب یہی لفظ صرف مسلمانوں کی عبادت گاہ کے فنی مفہوم میں سمجھا جاتا ہے۔ (دیکھیئے العلاقات الدولیۃ فی الاسلام صفحہ ۲۰۲)۔ اس کی روشنی میں تو عید گاہ بھی مسجد نہیں ہے۔

قرآن پاک کی آیت نمبر ۲۲/۴۰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جو یہ ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ط	وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بے قصور محض اس بناء پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو، ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور کینسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ڈھائے جا چکے ہوتے۔

وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (الحج۔آیت ۴۰)	اور بے شک اللہ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کے لیے اٹھیں گے۔ بیشک اللہ قوی اور غالب ہے۔

استدلال کیا گیا تھا کہ تمام ادیان کی عبادت گاہوں کو حاصل تقدس کی بناء پر کسی شخص کو اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے سے نہیں روکا جا سکتا۔ تاہم قرطبی نے واضح کیا ہے کہ عبادت گاہوں کے مذکورہ ناموں میں سے خانقاہوں، گرجوں، کینسوں کا تعلق غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور استھانوں سے ہے جبکہ مساجد کا لفظ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے تذکرے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (احکام القرآن جلد ۱۲ صفحہ ۷۲)۔ لیکن اگر یہ فرض کرلیں کہ مسجد کا لفظ ان لوگوں کی عبادت گاہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد غیر مسلموں کے زمرے میں آتے ہیں تو پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسجد کا لفظ ایسے لوگوں کی عبادت گاہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو اس وقت مسلمان ہی تھے۔

اس حدیث کی روشنی میں جس کا ذکر پہلے اذان کی بحث میں کیا جا چکا ہے، مسجد کو بھی اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے۔ جہاں مسجد پائی جائے وہاں قتل کرنے سے منع کر دیا گیا۔ کیونکہ مسجد اسلام کا امتیازی نشان یا شعار ہے جو شخص اس میں نماز پڑھتا ہے وہ مسلمان قرار پائے گا الا یہ کہ اس کے خلاف ثبوت مل جائے۔

سورہ توبہ کی آیات نمبر ۱۷ اور ۱۸ اس مسئلے کا حل پیش کرتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا	مشرکین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کی

مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○	مساجد کا انتظام کریں درانحالیکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ ان لوگوں کے سارے اعمال برباد گئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے تو یہی ہیں۔
اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○	اللہ کی مساجد کا انتظام کرنے والے تو صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ یہ لوگ توقع ہے کہ ہدایت یافتہ بنیں۔

(التوبۃ آیت ۱۷-۱۸)

اس مسئلے میں اختلاف رائے موجود ہے کہ کیا غیر مسلم یا مشرکین مسجد تعمیر کر سکتے ہیں یا اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تعمیر کے بارے میں مسلمہ اصول یہ ہے کہ مسجد خواہ غیر مسلم نے تعمیر کی ہو، اسے مسلمانوں کی عبادت گاہ کے طور پر ہی استعمال ہونا چاہیئے۔ البتہ داخل ہونے کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ مالکی اور حنبلی ان کے مسجد میں داخلے کے خلاف ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک مسجد الحرام کے سوا باقی مساجد میں انتظامیہ کی اجازت کے ساتھ جائز ہے۔ حنفیہ کے ہاں وہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد سے نکال دیا تھا۔ عبداللہ بن

عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ تو آپ نے چند اشخاص جو نماز کے لیے جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، کا نام لے کر انہیں مسجد سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ منافق تھے۔ (روح المعانی آلوسی جلد ۲ صفحہ ۱۰)۔

اس بحث کو معروف احمدی سر ظفراللہ خان کی رائے پر ختم کیا جاتا ہے۔

"اگر احمدی غیر مسلم ہیں تو پھر ان کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا"

(تحدیث نعمت صفحہ ۱۹۲)

انہوں نے مسئلے کو بالکل درست پیش کیا ہے لیکن آرڈی ننس قادیانیوں کو صرف اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام رکھنے یا پکارنے سے روکتا ہے۔ شریعت کی نگاہ میں یہ قابل اعتراض امر نہیں ہے بلکہ اس سے شریعت کے مقصد کو فروغ ملتا ہے۔

ارتداد کے اصول کی موجودگی میں اسلامی ریاست میں دیگر مذاہب کی اشاعت کا حق غیر محدود نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ	اے ایمان والو، جو تم میں سے اپنے
يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ	دین سے پھر جائے گا، تو اللہ کو کوئی
فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ	پرواہ نہیں وہ جلد ایسے لوگوں کو اٹھائے گا
يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ	جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ	سے محبت کریں گے۔ وہ مسلمانوں کے لیے

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ	نرم مزاج اور کافروں کے مقابل میں سخت
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا	ہوں گے ، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے
يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ؕ	اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ	پرواہ نہ کریں گے۔یہ اللہ کا فضل ہے وہ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ	جس کو چاہے بخشے گا اور اللہ بڑی وسعت
عَلِيْمٌ ۝	رکھنے والا اور علم والا ہے۔

(المائدۃ ۔ آیت ۵۴)

وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ	اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے
دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ	گا اور حالتِ کفر میں مرجائے گا تو یہی لوگ
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ	ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت
فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ	گئے اور یہی لوگ دوزخ میں پڑنے والے
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ	ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرۃ ۔ آیت ۲۱۷)	

اس مسئلے کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ تمام مذاہب کی یہ مسلمہ روایت رہی ہے کہ کسی شخص کی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں تبدیلی اس کے ہم مذہب افراد کی نگاہوں میں دشمنی سے کم شمار نہیں ہوتی۔اس کی مناسب مثال اچھوتوں کے اجتماعی قبول اسلام پر ان سے ہندوؤں ،جن میں نام نہاد سیکولر ریاست کے حکمران شامل ہیں ، کی عداوت و مخاصمت ہے۔

ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں ایسی

تبدیلی غالباً اس مذہبی جماعت کے لیے باعث انتشار ہوتی ہو۔ قادیانی لٹریچر میں بھی اگر کوئی مسلمان قادیانی ہو جائے اور پھر دوبارہ اسلام قبول کرے تو وہ مرتد شمار ہوتا ہے اور ایک غیر مسلم ہی کی طرح عذابِ جہنم کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ان حالات میں یہ قرار دینا مشکل ہے کہ اسلام غیر مسلموں کو یہ بنیادی حق دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی غیر مشروط تبلیغ کرتے رہیں۔

تاریخ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خلیفہ یا بادشاہ کے دربار میں کسی مذہب کی برتری پر مباحثے منعقد ہوتے تھے جن میں مسلمان اور غیر مسلم علماءِ دین برابر شرکت کرتے۔ لیکن ان واقعات کو اس امر کی مؤثر دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا کہ یہ کسی کا مسلّمہ حق ہے کہ وہ مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے انہیں غیر مسلم بناتا رہے۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں، کہ اسلام غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق دیتا ہے، قرآن کریم کی کسی آیت، حدیث نبوی یا کسی فقیہ کے قول سے براہِ راست استدلال نہیں کیا۔

انہوں نے کہا کہ قرآن کی رُو سے تبلیغ ایک فریضہ ہے اور اس فریضے کی تکمیل اس سے ہوتی ہے کہ کافر کو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہو۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت ۲/۱۷۰ کا حوالہ دیا:۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ	اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ
اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	خدا کی اتاری ہوئی چیز کی پیروی کرو تو
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا	وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ○
(البقرۃ - آیت ۱۷۰)

کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی جب کہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے رہے ہوں اور نہ راہ ہدایت پر رہے ہوں۔

اور کہا کہ یہ آیت آباءواجداد کی اندھی پیروی کی مذمت کرتی ہے۔ انہوں نے آیات نمبر ۲/۱۱۲، ۵/۱۰۵، ۱/۲۶، تا ۵، اور ۴۳/۲۱ کا بھی حوالہ دیا اور کہا ان آیات کے یکجا مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جب حضورؐ کفار کو سچے پیغام کی تبلیغ فرماتے تو ان کا یہی جواب ہوتا کہ ہمارے لیے ہمارے آباءو اجداد ہی کافی ہیں، خواہ ان کے آباءواجداد عقل و ہدایت سے یکسر عاری تھے۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ ہر دو قسم کے دلائل یعنی آفاقی اور انفسی کو اختیار کرتے ہوئے نظریۂ تقلید پر اس زور کو ختم کر دیا جائے۔ آفاقی دلائل کا تعلق نظامِ قدرت، ارض و سماء کی تخلیق اور دن رات کی گردش وغیرہ ان مظاہرِ قدرت سے ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم نے کر دیا ہے۔ انہیں اس نظام کے حسن وجمال اور عمدہ نظم پر متوجہ کرتے ہوئے قائل کیا جائے کہ دو خداؤں کی موجودگی میں یہ ناممکن ہوتا۔ انفسی دلائل کا مفہوم یہ ہے کہ وہ زندگی کے مختلف مراحل کی تخلیق میں تامل وتدبر کریں گے تو اس حقیقت کو پالیں گے کہ انسان کی تخلیق صرف ایک خدا کا عمل ہے۔

یہی وہ انداز ہے جسے اختیار کرتے ہوئے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ — اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور

وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (النحل۔آیت ۱۲۵)	اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔

انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ اصل چیز حُجّت ہے:۔

وَ لٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ط (الانفال۔آیت ۴۲)	اور تاکہ اللہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے ہو چکا تھا۔ تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے حُجّت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حُجّت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔

آخر میں انہوں نے آیات نمبر ۶/۱۴۸ ، ۲۸/۷۵ ، ۳۷/۱۵۶ــ ۱۵۷ ، ۲۷/۶۴ ، ۲۱/۲۴ اور ۲/۱۱۱ کا حوالہ دیا۔ ان آیات کے متعلقہ حصے یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ط (الانعام۔آیت ۱۴۸)	پوچھو تمہارے پاس ہے اس کا کوئی علم کہ تم اس کو ہمارے سامنے پیش کر سکو۔
اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ○ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت آیت ۱۵۶-۱۵۷)	کیا تمہارے پاس کوئی واضح حجّت ہے ! پس پیش کرو تم اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔
فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (القصص آیت ۷۵)	پس ہم کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو۔
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (الأنبیاء آیت ۲۴)	ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو۔
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (النمل آیت ۶۴)	کہو کہ تم اپنی دلیل لاؤ !
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (البقرۃ۔آیت ۱۱۱)	تم کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو !

انہوں نے ان آیات کی توضیح کے لیے متعدد تفاسیر کے حوالے پیش کئے۔ انہیں یہاں نقل کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ان آیات کے معانی بالکل واضح ہیں کہ مسلمان مشرکین اور غیر مسلموں سے ان کے پختہ عقائد کے بارے میں حجت طلب کر سکتے ہیں۔

لیکن مسٹر مجیب الرحمٰن کا استدلال یہ ہے کہ اس سے غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کر کے انہیں مُرتد بنانے کا حق ملتا ہے۔

ہم ادنیٰ سے ادنیٰ امکان کی حد تک بھی اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

یہ تمام آیات اسلام کی دعوت و تبلیغ کے اصولوں اور اس کے اسلوب اور طریقۂ کار سے متعلق ہیں۔ اصول یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے اسلام کی دعوت پر گفتگو کرتے ہوئے مسلمان کو نہایت شائستہ اور نرم رویہ اختیار کرنا چاہیئے اور نہ صرف اسلام کے تمام اچھے نکات کو معقول اور مدلّل طریقے سے پیش کرنا چاہیئے بلکہ غیر مسلم کو یہ موقع دینا چاہیئے کہ وہ بھی اپنے دین کے اچھے پہلوؤں کے بارے میں اس کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ یہ ضروری ہے کہ غیر مسلم کو اپنے دین کے بارے میں اپنا مؤقف کُھل کر بیان کرنے دیا جائے تاکہ مسلمان اس کی تردید کر سکے اور دیگر مذاہب کے تخیلاتی فلسفے پر اسلام کی برتری کو ثابت کر سکے۔ درحقیقت قرآن دو افراد کے درمیان اس قسم کی آزادانہ بحث ہی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ، جیسا کہ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ (اپنی دلیل پیش کرو) سے ظاہر ہے، مسلمان سے کہتا ہے کہ غیر مسلم کو چیلنج دو کہ وہ اپنے عقیدے کی صداقت کے دلائل سامنے لائے۔ درحقیقت یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ غیر مسلم ایسے دلائل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

(دیکھئے المراغی جلد ۱ صفحہ) کہا گیا ہے فَهُوَ فِي عُرْفِ التَّخَاطُبِ
تَكْذِيْبٌ خطاب کے عرف میں یہ انہیں جھوٹا قرار دینے کی ایک شکل ہے یہ
قطعی بات ہے کہ قرآن کریم کے دلائل ناقابل تردید ہیں۔ کفر کی تائید میں کوئی
دلیل پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس سے اس امکان کی نفی ہو جاتی ہے کہ مسلمان، غیر مسلم کے اپنے مذہب
کے حق میں دلائل سے متاثر ہو کر مرتد ہو جائے گا۔ یہ آیات تبلیغ کی صرف اس صورت پر
چسپاں ہوتی ہیں جو غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے کی جائے۔ ان آیات
کا رُخ موڑ کر انہیں غیر مسلموں کے اس دعوے کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا
کہ انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان گذر چکا
ہے قرآن کریم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کی تفاسیر و شروح میں ایسی
کوئی دلیل موجود نہیں جس میں غیر مسلموں کے حق کو تسلیم کیا گیا ہو کہ وہ مسلمانوں
میں اپنے مذہب کی تشہیر و تبلیغ کریں۔ یہ آیات اور ان کی تفسیریں اس دعوے
کی تائید نہیں کرتیں کہ غیر مسلموں کو یہ بنیادی حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں میں
اپنے مذہب کی تشہیر و تبلیغ کریں۔ اس کے باوجود اسلامی ریاست کو یہ اختیار
ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دے، جیسا کہ آئین کی
دفعہ ۲۰ میں دی گئی ہے۔ تاہم یہ اجازت صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے
جب کہ غیر مسلم، غیر مسلم کی حیثیت سے تبلیغ کریں نہ کہ خود کو مسلمان ظاہر کر کے۔
یہ مقننہ کا کام ہے کہ وہ دیگر شرائط وضع کرے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب "اسلامی ریاست" کے صفحات ۵۸۲ تا ۶۰۲

پر اقلیتوں کے حقوق پر مفصل بحث کی ہے اور ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کیلئے مواد چھاپنے کے حق میں بھی بیان کیا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ اس امر کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ کسی مسلمان کو انفرادی طور پر کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کیجائے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان اپنا دین بدلنے کا مجاز نہ ہوگا۔

مسٹر مجیب الرحمٰن نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اس اعلان سے بھی حوالے پیش کئے جو ۱۹۴۸ء میں منظور ہوا تھا جس دفعہ کا انہوں نے ذکر کیا تھا وہ یوں ہے :۔

"دفعہ ۱۸۔ ہر شخص کو سوچ، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ بدلنے کی آزادی اور خواہ انفرادی طور پر یا برادری میں دوسروں کے ہمراہ یا عوام میں یا نجی طور پر، اپنے مذہب یا عقیدے کو تعلیم، عمل، عبادت اور رسوم میں ظاہر کرنے کی آزادی شامل ہے۔"

اس چارٹر میں کسی ملک کے شہریوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کا حق دینے کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔

آخر میں اسلامک کونسل کے شائع کردہ دو رسالوں کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ پہلا "انسانی حقوق کا منشور" ہے اور دوسرا "مثالی اسلامی آئین" ہے۔ ان دونوں رسالوں میں قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی روشنی میں وضع کردہ انسانی حقوق میں عموماً وہ انسانی حقوق شامل ہیں جو اقوام متحدہ نے منظور کئے

ہیں۔تاہم کئی حقوق زیادہ ہیں مثلاً انصاف کا حق، طاقت کے غلط استعمال کے خلاف تحفظ کا حق، پناہ کا حق، اقلیتوں کے یہ حقوق کہ ان کے شخصی معاملات ان کے اپنے شخصی قوانین کے مطابق طے کئے جائیں گے، عوامی امور کے نظم و انتظام میں شرکت کے حقوق و فرائض، کارکنوں کے مرتبے، وقار اور سماجی تحفظ کے حقوق وغیرہ۔

رسالہ "انسانی حقوق کا عالمی اسلامی منشور" کے پیراگراف ۱۲ اور ۱۳ عقیدے، سوچ اور تقریر کی آزادی کے حق اور مذہب کی آزادی کے حق سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"۱۲۔ (ا) ہر شخص کو اس وقت تک اپنے خیالات اور عقائد کے اظہار کا حق حاصل ہے جب تک وہ قانون میں بیان کردہ حدود میں رہتا ہے۔تاہم کوئی بھی شخص اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ جھوٹ کی اشاعت کرے یا ایسی اطلاعات پھیلائے جو عوامی مذاق کو مشتعل کریں یا تہمت تراشی کرے یا دوسرے لوگوں پر طعن و تشنیع کرے یا ان پر ہتک آمیز الزامات لگائے۔

(ب) علم کی جستجو اور حق کی تلاش ہر مسلمان کا نہ صرف حق ہے بلکہ فرض ہے۔

(ج) یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے کہ وہ ظلم کے خلاف (قانون کی طے کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے) احتجاج اور جدوجہد کرے، خواہ اس میں ریاست کے حاکم اعلیٰ کو چیلنج کرنا شامل ہو۔

(د) اطلاعات کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہوگی بشرطیکہ اس سے معاشرے یا ریاست کی سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو اور یہ قانون کی طرف سے عائد کردہ حدود کے اندر محدود ہو۔

(ھ) کوئی شخص دوسروں کے مذہبی عقائد کی توہین یا تضحیک نہیں کرے گا یا ان کے خلاف عوام میں عداوت نہیں پھیلائے گا۔ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام ہر مسلمان کا فرض ہے۔

۱۳۔ ہر شخص کو ضمیر اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عبادت کی آزادی کا حق حاصل ہے۔

اسی طرح رسالہ "مثالی اسلامی آئین" کی دفعات ۸ اور ۱۶ اقلیتوں کے مذہبی حقوق سے متعلق ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:-

"۸۔ ہر شخص کو اپنے خیالات، آراء اور عقائد کا حق حاصل ہے اور اسے ان کے اظہار کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ قانون کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتا ہے۔

۱۶۔ (ا) مذہب میں کوئی جبر نہیں ہے۔

(ب) غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق ہے۔

(ج) شخصی قوانین کے معاملات میں اقلیتوں پر ان کے اپنے قوانین اور روایات نافذ ہوں گے اِلّا یہ کہ وہ خود یہ پسند کریں کہ ان پر شریعت نافذ ہو۔ فریقوں کے درمیان تنازعہ میں شریعت نافذ ہو گی۔"

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ کسی کے مذہب کی تبلیغ کے حق کو اقلیتوں کے انسانی حقوق میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہ اس بیان کے عین مطابق ہے جو اوپر گذر چکا ہے۔

آئین کی دفعہ ۲۰ پاکستان کے تمام شہریوں کو اپنے مذہب کو ماننے، عمل کرنے اور اشاعت کرنے کا حق دیتی ہے لیکن یہ حق قانون، امنِ عامہ اور اخلاق

کے تابع ہے۔ اس کا بیان یوں ہوا ہے :-

"قانون، امن عامہ اور اخلاق کے مطابق

(ا) ہر شہری کو اپنا مذہب ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کا حق حاصل ہو گا۔

(ب) ہر مذہبی جماعت اور اس کے ہر فرقے کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے دیکھ بھال کرنے اور چلانے کا حق ہو گا۔"

جبندر کشور کے مقدمے پی ایل ڈی ۱۹۵۷ء ایس سی صفحہ ۹ میں سپریم کورٹ کو ۱۹۵۶ء کے آئین کی دفعہ ۱۸ کی اسی نوع کی عبارت کی تشریح کرنے کا موقع ملا تھا۔ یہ قرار دیا گیا تھا کہ 'قانون کے مطابق' کے الفاظ مقننہ کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ جو آئین نے ایک ہاتھ سے دیا ہے وہ اُسے دوسرے ہاتھ سے واپس لے لے اور اس حق کو صرف نظام کے تحت لایا جا سکتا ہے لیکن چھینا نہیں جا سکتا۔ جناب جسٹس محمد منیر چیف جسٹس (ریٹائرڈ) نے اس بارے میں یہ رائے دی :-

"جب امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو تو قانون کے ذریعے سے منضبط کرنے کی گنجائش کو اس قدر تنگ نہیں کیا جا سکتا۔"

دفعہ ۲۰ بھی قانون اور امن عامہ کے تابع ہے اور تبلیغ کا حق اسی کے تابع ہے۔

مرزا غلام احمد کے دعوؤں اور ان کے ارتقائی رجحان کے تاریخی تجزیے میں یہ امر پہلے واضح ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد کے مجدد اور مامور من اللہ ہونے کے دعوے کے فوراً بعد ہی برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی کے

جذبات پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے بالکل درست اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا کہ یہ نبوت کی طرف پہلا قدم ہے۔ مرزا صاحب نے اس کی تردید کرنے میں ہوشیاری دکھائی اور دعویٰ کیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور ان کی رائے میں کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کفر سے کم نہیں ہے۔

اور جب ۱۸۹۰ء میں مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو مسلمانوں کی بے چینی، غم و غصے اور عداوت میں اضافہ ہوا۔ یہ مرزا صاحب کی کتابوں اور دوسرے قادیانی لٹریچر سے واضح ہوتا ہے کہ جب وہ مختلف شہروں میں جاتے تو مسلمان ان کی قیام گاہ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ علماء بھی سخت مشتعل تھے۔ ۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب کے صاف دعویٔ نبوّت کی وجہ سے یہ اشتعال اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

قیام پاکستان کے بعد اس مسئلے پر ایسا احتجاج ہوا کہ اس کو دبانے کے لیے ۱۹۵۳ء کا مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ تاہم یہ مسلمانوں کے اس مطالبے کو خاموش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جسے علماء نے اپنے ۲۲ نکاتی پروگرام میں آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اور اقلیتی حیثیت دینے کے لیے پیش کیا تھا۔

مارشل لاء کے نفاذ کے علی الرغم احتجاج جاری رہا۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور قومی اسمبلی میں مسلمان عوام کے نمائندوں کو، قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد تک قادیانیوں کی مکمل سماعت کرنے کے بعد (دوسرا ترمیمی) آئینی ایکٹ مجریہ ۱۹۷۴ء منظور کرنا پڑا، اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ایک تعریف کا

اضافہ کرنا پڑا، جس کی رُو سے دونوں معروف گروہوں کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا اور دفعہ ۱۰۶ میں ایک ترمیم کے ذریعے انہیں پاکستان کی دوسری اقلیتوں مثلاً عیسائیوں، پارسیوں اور ہندوؤں وغیرہ کے مساوی مقام دیدیا گیا۔

اس اعلان کے نتیجے میں، جو مسلمانوں کے متفقہ مطالبے پر منظور ہوا تھا، قادیانیوں کے لیے روا نہ تھا کہ وہ خود کو مسلمان کہتے یا اپنے تصور کے اسلام کی، حقیقی اسلام کے طور پر، اشاعت کرتے۔ لیکن انہوں نے آئینی ترمیم کا بالکل احترام نہیں کیا اور اپنے عقیدے کو پہلے کی طرح اسلام قرار دیتے رہے۔ وہ اپنی کتابوں اور رسالوں وغیرہ کی اشاعت کے ذریعے نیز انفرادی طور پر مسلمانوں کے اندر اپنے مذہب کی آزادانہ تبلیغ کرتے ہوئے غیظ و غضب کا باعث بنتے رہے۔ اس سے لازماً اور واضح طور پر امن و امان کی صورت حال پیدا ہو جاتی۔ یہ سلسلہ موجودہ آرڈی ننس کے پاس اور نافذ ہونے تک جاری رہا۔ ان حالات میں یہ آرڈی ننس، دفعہ ۲۰ کے قانون اور امن و امان کے تحفظ کے تابع ہونے کے استثناء میں شامل دکھائی دیتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر ان دونوں پیٹیشنز میں کوئی وزن نہیں ہے اور انہیں خارج کیا جاتا ہے۔

اس فیصلے کو ختم کرنے سے پہلے ہم مسٹر مجیب الرحمٰن پیٹیشنر اور مسٹر ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ برائے وفاقی حکومت کی جانب سے دی گئی معاونت کے لیے اپنی

گہری قدردانی کو ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں۔ مسٹر گیلانی کی مقدمے کی تیاری اور پیشکش قابلِ تعریف تھی۔

چیف جسٹس

جج نمبر ۲   جج نمبر ۳

جج نمبر ۴

اسلام آباد۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۴ء